UNIVERSAL LIBRARY
OU_188914
UNIVERSAL LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. Accession No.

Author خواجہ حسن نظامی

Title سیر دہلی کی مزارات

This book should be returned on or before the date last marked below.

یامعین ہوالحی

قیمت بارہ آنے باہتمام ... دوسری بار

اُردو میں فرانسیسی انشاپردازی

اُردو میں عربی، فارسی، ہندی اور ترکی کی جھلک تو پہلے سے موجود تھی کیونکہ اُردو انہی زبانوں سے بنی ہے مگر اب اسمیں فرانسیسی انشاپردازی کا رنگ بھی نظر آنے لگا ہے اس نئے رنگ

انشاپردازی کے موجد

مُصورِ فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی

ہیں جن کی تحریرات کو دیکھکر بڑے بڑے نامور انگریز کہتے ہیں کہ یہ بالکل فرانسیسی انشاپردازی ہے، خواجہ صاحب ایسی اُردو لکھتے ہیں جس کو نادان بچہ بھی سمجھ لے اور ادبی ذوق رکھنے والے فاضل اُس میں لطف اُٹھائیں، جناب مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اُردو فرماتے ہیں کہ "اگر تم صاف ستھری اور نکھری ہوئی دہلی کی اصلی زبان چاہتے ہو تو خواجہ حسن نظامی کی تحریریں پڑھو"

ذیل میں خواجہ صاحب کی ادبی، مذہبی اور تاریخی کتابوں کی مجمل فہرست درج کی جاتی ہے، مفصل کیفیت خط وکتابت کے ذریعہ سے معلوم ہوسکتی ہے۔

تالیفاتِ خواجہ حسن نظامی کی مجمل فہرست!

ادبی۔ مذہبی، اخلاقی سیاسی کتابیں

سی پارۂ دل:۔ خواجہ صاحب کے تمام متفرق ادبی و مذہبی مضامین کا انتخاب ... ... عہ

چٹکیاں اور گدگدیاں خواجہ صاحب کے نتیجہ خیز ظریفانہ مضامین کا مجموعہ ۱۲ر

قبروں کے غیبی نوشتے آنحضرتؐ اور اہلبیت اطہار کے مزارات کے لیئے موثر کتبے ۴ر

کم ٹو موت:۔ عشق دنیا کی بھول سے بچانے اور موت وآخرت کو یاد دلانے والے مضامین ... علہ مجلد عہ

جگ بیتی درد وغم کے پُرسوز قصوں کا مجموعہ ۸ر

فرام قبلہ ٹو شملہ ہندوستان کے وائسرائے کے نام خط ۱ر

لڑائی کا گھر:۔ خواجہ صاحب کے کئی دلچسپ مضامین بم۔ بندوق توپخانہ۔ ہوائی جہاز۔ مچھر کا اعلان جنگ۔ مکھی کا میدان جنگ میں شہزادہ کی لاش۔ دکھیا شہزادی وغیرہ کا دلکش مجموعہ ... ۶ر

مذہبی۔ تاریخی۔ ادبی کتابیں

فاطمی دعوتِ اسلام اُن دلچسپ، حیرت انگیز اور مخفی طریقوں کا مفصل بیان جو اسلام کے مختلف فرقوں خصوصاً بنی فاطمہ اور صوفیہ کرام نے اشاعت اسلام کیلیئے اختیار کیئے قیمت تین روپے (سے) مجلد کی قیمت ... سے ۴ر

میلاد نامہ:۔ نئے رنگ کا قابل دید مولود شریف رسول اکرمؐ کے حالات واخلاق ... ... عہ مجلد عہ ۸ر

محرم نامہ:۔ خلافت کے جھگڑوں کا مفصل بیان جنگ جمل اور جنگ صفین کی پوری کیفیت، شہادت امام حسینؑ اور معرکۂ کربلا کا دردناک نظارہ عہ مجلد عہ ۸ر

یزید نامہ:۔ محرم نامہ کی شرح عہ ۴ر مجلد ۱۲ آر

طمانچہ برخسار یزید اشرار بنی اُمیّہ کی خفیہ بداعمالیوں اور سازشوں کا انکشاف ... ... علہ

فلسفۂ شہادت امام حسینؑ ۱ر

گیارہویں نامہ:۔ گیارہویں شریف کی محفلوں میں پڑھنے کی کتاب۔ حضرت غوث پاک کے حالات ۱۲ر مجلد عہ ۴ر

سترہویں نامہ:۔ حضرت امیر خسروؒ اور اُن کی سترہویں کے حالات اور کلام خسروؒ ۴ر

ادبی۔ تاریخی کتابیں

غدرِ دہلی کے افسانے (حصّہ اول) بادشاہ اور اُنکی بیگمات اور بچّوں کے دردناک حالات ... عہ مجلد عہ ۸ر

ملنے کا پتہ:۔ کارکن حلقۂ مشائخ۔ دہلی

ہو المعین

کتب خانہ جامعہ عثمانیہ

۶۸۶

رہنمائے سیرِ دہلی

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیمؐ

دہلی ہزاروں برس سے ہندوستان کا دل ہے، جیسے انگلستان کا لندن، فرانس کا پیرس۔ جرمن کا برلن۔ ترکی کا قسطنطنیہ، سارے ملک کی جان سمجھا جاتا ہے، ویسے ہی دہلی تمام ہندوستان کی آنکھوں کا تارا ہے۔

جب ہندوؤں کی حکومت تھی اُس وقت بھی دہلی کو پایۂ تخت کا درجہ حاصل تھا، اور جب مسلمانوں کی بادشاہت قائم ہوئی تو بھی سات سو سال تک دہلی تختگاہ رہی، انگریزوں کے ہاتھ میں سلطنت آئی تو چند روز اُنہوں نے کلکتہ کو پایۂ تخت بنائے رکھا مگر آخر حضور جارج پنجم بادشاہ کے حکم سے یہ شہر پھر دارالسلطنت بن گیا اور آج کل انگریزی نئی دہلی کی عمارتیں تیار ہو رہی ہیں اور اِس اُجڑے ہوئے شہر کی آراستگی میں کروروں روپیہ پانی کی طرح بہہ رہا ہے۔

ہندوستان میں یوں تو کلکتہ۔ بمبئی۔ رنگون بڑے بڑے شہر ہیں جنکی آبادی اور دولت دہلی سے سیکڑوں حصّے زیادہ ہے، مگر دہلی کی سی آن بان اور دہلی کی سی قدامت اور وہ عزّت و محبّت کسی شہر کی نہیں ہے جو دہلی کے ساتھ لوگوں کے دلوں میں ہے۔ پہلے لوگ کہتے تھے "جس نے دہلی نہ دیکھی اُس نے کچھ نہ دیکھا" اور اب بھی دُنیا بھر کے ملکوں میں دہلی دیکھنے کا ارمان ہے، ہندوستان کے بچّہ بچّہ کو سیرِ دہلی کی تمنّا رہتی ہے، اور ریلوں کی آسانی کے سبب روزانہ ہزاروں آدمی دہلی کی سیر

کرنے آتے ہیں،

یوں تو انگریزی اور اُردو میں بہت سی کتابیں سیر دہلی کی رہنمائی کیلئے لکھی گئی ہیں مگر ایسی کوئی نہیں کہ جس کو مسافر ہاتھ میں لیکر سیر کرنے نکلے تو پھر کسی دوسرے سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ اس واسطے میں یہ چھوٹا سا رسالہ رہنمائے سیر دہلی اپنے شہر کے مہمانوں کی خاطر لکھے دیتا ہوں، جو سچ مچ رہنما کا کام دے گا اور دہلی آنے والوں کو معلوم ہو جائے گا کہ کیا کیا چیزیں اس شہر میں دیکھنے کی ہیں، اور کون کون لوگ ملنے کے قابل ہیں، اور کیا کیا سوغاتیں ایسی ہیں جو دہلی میں بکتی ہیں اور پرانی دہلی میں کون کون سی عمارتیں سیر کے لائق ہیں؟ -

اگر میں سب عمارتوں کے تاریخی حالات لکھوں تو کتاب بہت بڑی ہو جائے گی، اور غریب مسافر اس کو خرید نہ سکیں گے، اس واسطے میں تو فقط ضروری ضروری یادداشت لکھتا ہوں، پورا حال دیکھنا ہو تو سرسید کی "آثار الصنادید" اور دہلی گائیڈ اور یادگار دہلی کتابیں بازار سے خرید کر پڑھ لینی چاہئیں جو دہلی کے کتاب فروش فروخت کرتے ہیں اور جن میں خوب مفصل تاریخی حال ہے۔

یہ کتابیں غلام نظام الدین صاحب تاجر کتب دریبہ کلاں کی دوکان سے ملجائینگی۔

دہلی کا اسٹیشن

مسافر دہلی کے اسٹیشن پر اُترے گا تو اُسکو ہوٹلوں اور سراؤں کے آدمی کھڑے ملیں گے، اگر وہ خوشحال ہے تو اُن کے ہمراہ کسی ہوٹل میں چلا جائے، اور غریب ہے تو کسی سرائے میں ٹھہر جائے۔

ہوٹل اور سرائیں اسٹیشن کے بہت قریب ہیں، گاڑی کی ضرورت نہیں، ٹی اسٹیشن کے باہر قلی اور مزدور کھڑے رہتے ہیں، اسباب اُن کے سر پر رکھکر ہوٹل، یا

سرائوں میں چلے جاؤ۔ یا گاڑی کرلو، مگر تھوڑی سی دور کا کرایہ آٹھ آنے تھرڈ کلاس والا اور بارہ آنے سکنڈ کلاس والا لے لیگا۔ پیدل کیوں نہیں چلے جاتے۔ خواہ مخواہ فضول خرچی کیوں کرتے ہو۔

سرائیں

اسٹیشن کے دائیں رُخ کوئی سو قدم کے فاصلہ پر احمد پائی کی سرائے اور ہندو سرائے پاس پاس واقع ہیں، جہاں کم کرایہ پر مسافر ٹھہر سکتے ہیں، یہ سرائیں پختہ اور صاف ستھری ہیں اور کسی بات کی تکلیف ان میں نہیں ہے۔

اسٹیشن کے بائیں رُخ جاؤ تو دو سو قدم کے فاصلہ پر کمپنی باغ کے سامنے توپ خانہ کی سرائے ہے اور اس کی برابر ایک اور چھوٹی سی سرائے ہے، یہ تقریباً خام سرائیں ہیں اور صفائی بھی کم ہے، مگر کرایہ قلیل ہونے کے سبب غریب لوگ ان میں زیادہ ٹھہرتے ہیں، صدر بازار میں بھی کئی سرائیں ہیں جہاں بیپاری سوداگر زیادہ ٹھہرتے ہیں۔

ہوٹل

ریلوے اسٹیشن کے قریب ہوٹل بھی بہت سے ہیں، اسٹیشن سے اُتر کر دائیں ہاتھ کو باغ کی پٹری پر چلے جاؤ۔ پہلے احمد پائی کی سرائے کی پشت پر ایک ہوٹل ہے جس کا نام "مہاراجہ ہوٹل" ہے، یہ خاصا صاف ستھرا ہے اور کرایہ متوسط درجہ کا ہے۔

اور آگے بڑھو۔ چاندنی چوک۔ فنچوری کی طرف جاؤ تو گرجا سے آگے بڑھکر "پنجاب ہندو ہوٹل" ہے جسمیں ہندو مسافر قیام کرتے ہیں، اور ان کے کھانے کا بھی اُسی کی برابر ایک جگہ اچھا انتظام کیا گیا ہے۔

چند قدم کے بعد بائیں ہاتھ کو لچھمی نرائن کا دھرم سالہ ہے، یہ بہت ہی خوبصورت

اور عالیشان عمارت ہے، ہندو مسافر مفت اس میں ٹھہرتے ہیں اور بھی اس طرح کی ایک دھرم شالہ کمپنی باغ کے پاس نیل کے کٹڑہ کے باہر واقع ہے۔

فتح پوری بازار کے سامنے "کارونیشن ہوٹل" بہت ہی شاندار اور آرام دہ ہوٹل ہے اور اسمیں بہت گنجائش دار کمرے ہیں۔ اس ہوٹل کا موقع بھی اچھا ہے کیونکہ شہر کے اس حصّہ میں ہے جہاں چاروں طرف کی بہار نظر آتی ہے، اور کھانا بھی تیار ملتا ہے۔ اس ہوٹل کی شاخ احمد پائی کی سرائے کی پشت پر بہت شاندار اور نفیس ہے۔

چاندنی چوک میں فتحپوری کے سامنے محبوب ہوٹل بھی اچھا اور عزت دار ہوٹل ہے، اس کے کمروں کی صفائی ستھرائی اور بازار کی سیر کا موقع ایسا ہے کہ اکثر لوگ اس کو پسند کرتے ہیں۔

کھانا

دہلی میں کھانا ہر قسم کا ہر وقت مل سکتا ہے، ہندوؤں اور مسلمانوں کے کھانے کا الگ الگ سامان موجود ہے۔ توپ خانہ کی سرائے کے پاس سکھوں کا کھانا بھی دستیاب ہوتا ہے (جہاں جھٹکے کا گوشت ملتا ہے) غریبی کھانے کی دوکانیں ہر جگہ موجود ہیں اور متوسط درجہ کا کھانا فتحپوری پر اور بلیماروں کے بازار میں ملتا ہے۔

فتحپوری کے سامنے رفیع اللہ خاں شاہجہانپوری ہوٹل کا کھانا بہت اچھا ہوتا ہے یہاں چربی نہیں پڑتی خالص گھی سے کھانا پکتا ہے اور نرخ بھی کچھ گراں نہیں ہے۔

دہلی کے بڑے بازار

دہلی میں بڑے بازار آج کل یہ ہیں:-

صدر بازار:- یہاں مسلمان پنجابی سوداگروں کی دوکانیں ہیں۔ باہر کے بیپاری مال یہیں سے خریدتے ہیں اور زیادہ سامان خریدنا ہو تو معمولی خریداروں کو بھی اس بازار سے خریدنے میں فائدہ رہتا ہے، کیونکہ یہاں بہ نسبت دوسرے بازاروں کے چیز ارزاں ملتی ہے، بشرطیکہ زیادہ سامان خریدا جائے۔ یہ بازار دہلی کی فصیل کے باہر لاہوری دروازہ سے شروع ہو کر ہندو راؤ کے باڑے پر ختم ہوتا ہے۔

(بیڈن گنج۔ یہ عالی شان نیا بازار لاہوری دروازہ کی برابر تیار ہوا ہے۔

کھاری باؤلی:- یہ بازار فتحپوری سے لاہوری دروازہ تک ہے اسمیں غلہ کی منڈی ہے اور مفرد ادویات کا گودام بھی یہیں ہے، جو مسلمان تاجر فروخت کرتے ہیں اور اچار چٹنی والے بھی اسی بازار کے متصل ایک گلی میں جسکا نام بتاشوں کی گلی ہے بیٹھتے ہیں، یہ سب عموماً ہندو ہیں، اور کچھ مسلمان بھی ہیں۔ اچار والوں کے ہاں ہر قسم کے مربّے۔ شربت۔ اچار وغیرہ دستیاب ہوتے ہیں۔

چاندنی چوک:- یہ بازار فتحپوری کی مسجد سے لال قلعہ تک آباد ہے۔ بہت چوڑا بازار ہے، پہلے اس کے وسط میں نہر بہا کرتی تھی، اب انگریزی سرکار نے اُسکو بند کرادیا اس بازار کی مثال ہندوستان کیا دُنیا کے اور بڑے شہروں میں بھی کم ہوگی۔

اس بازار میں ہر قسم کا انگریزی سامان فروخت کرنے والے۔ انگریزی دوافروش میوہ بیچنے والے۔ کپڑے والے۔ جوتے والے وغیرہ بیٹھتے ہیں۔

میوہ فروشوں کی دوکانیں بھی فتحپوری کے قریب ہیں آگے جاکر نہیں ہیں کانروشن ہوٹل کے نیچے صمدانی پشاوری میوہ فروش کی دوکانیں بہت بڑی ہیں، جہاں ہر قسم کا میوہ بافراط ملتا ہے۔

چاندنی چوک کے وسط میں بلیماروں کے نکڑ پر جوتے والوں کی دوکانیں ہیں اور ایک لمبی قطار ان کی چلی گئی ہے، آگے جاکر مشہور شاہی زمانہ کی یادگار مسلمان حلوائیوں

والا ہے جس کے حلوا سوہن کی دھوم ہندوستان بھر میں ہے۔ اس سے آگے کپڑے کی دوکانیں ہیں، ان میں چند بزاز بہت مشہور ہیں، خاصکر بدری بزاز کی دوکان زیادہ معتبر مانی جاتی ہے۔

بڑی دوکانوں پر کپڑا ہر قسم کا مل جاتا ہے اور دھوکہ کا شُبہ بھی نہیں رہتا۔ کیونکہ یہ لوگ سب خریداروں سے یکساں دام لیتے ہیں۔

چاندنی چوک کے وسط میں گھنٹہ گھر ہے۔ جنوب میں نئی سڑک کو راستہ گیا ہے اور شمال میں کمپنی باغ کو، جہاں سے ریلوے اسٹیشن پاس ہے۔

آگے جاکر اسی چاندنی چوک میں فوارہ نظر آتا ہے۔ دائیں طرف سُنہری مسجد ہے کوتوالی ہے، اور سکھوں کا مندر ہے۔

سکھوں کے مندر سے آگے منشی غلام نظام الدّین صاحب تاجر کتب کی دوکان تھی جو اب ریبہ میں ہے اور جہاں ہر نایاب کتاب خصوصاً تصوّف کی کتابوں کا ذخیرہ موجود رہتا ہے اس سے آگے دائیں جانب دریبہ کا راستہ گیا ہے اور بائیں طرف پُرانی اور ہندوستانی ساخت کی وہ اشیاء فروخت ہوتی ہیں جنکو یورپ والے پسند کرتے ہیں اور اسی لائن میں دہلی کی مشہور دوکان خاتون اسٹور ہے جہاں زنانہ مذاق کی ہر چیز دستیاب ہوتی ہے، اور شرفائے ہندوستان میں جسکی خاص عزّت ہے۔ اور یہیں ایچ۔ اے مرزا صاحب شہرۂ آفاق قومی مصوّر کی دوکان ہے جہاں عمارات دہلی کے عکسی نقشے بکتے ہیں۔ چاندنی چوک لال قلعہ کے قریب ختم ہوتا ہے۔

دریبہ کلاں:۔ اس بازار میں دہلی کی ساخت چاندی کے برتن اور زیور فروخت ہوتے ہیں جو دہلی کی سوغات ہیں اور کتابوں والے اور عطر فروش بھی زیادہ تر یہیں ہیں۔

دریبہ کے اندر سے ایک راستہ مالی واڑہ اور کناری بازار کو گیا ہے جو لکھنؤ کے

چوک بازار کی طرح تنگ ہے اور جہاں گوٹہ کناری والے اور جڑیے زیادہ ہیں۔

چاوڑی بازار:۔ اس بازار میں کاغذ۔ لوہا وغیرہ بہت بکتا ہے۔ اس کے وسط میں حضرت شاہ بولا کا مزار ہے۔ یہاں انہی بزرگ کا بڑ تھا جسکی وجہ سے اس کو شاہ بولا کا بڑ کہتے ہیں، اور بالاخانوں پر فاحشہ عورتیں رہتی ہیں۔ اس وجہ سے اس بازار کی تعریف شاعر نے کی ہے :ے

چاوڑی قاف ہی یا خلدِ بریں ہے لّسخ
غول حوروں کے تو پریوں کے پرے رہتے ہیں

شریف لوگ اس بازار میں چلتے ہوئے شرماتے ہیں، لیکن کاغذ کی منڈی ہونے کے سبب ہر شخص کو آنا پڑتا ہے۔

یہ بازار جامع مسجد سے شروع ہو کر قاضی کے حوض پر ختم ہوتا ہے۔ یہاں سے ایک رستہ بلیماروں کو اور ایک چوڑی والوں کو گیا ہے۔

لال کنواں:۔ یہ بازار فتحپوری سے شروع ہو کر حوض قاضی پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں معمولی کاروبار کی دوکانیں ہیں، اور حکیم رضی الدین خاں صاحب شفاء الملک کے صاحبزادے کا مطب بھی یہیں ہے۔

سیتارام کا بازار، یہ قاضی کے حوض سے ترکمان دروازہ تک چلا گیا ہے۔ یہاں بھی معمولی کاروبار کی دوکانیں ہیں۔ اس بازار کی انتہا پر [illegible]

اجمیری دروازہ:۔ قاضی کے حوض سے اجمیری دروازہ تک ایک بازار ہے اس میں مسلمان موچی زیادہ رہتے ہیں، جو دہلی کی ساخت کی اچھی جوتیاں بناتے ہیں۔ اجمیری دروازہ کے باہر دہلی کا مشہور عربک اسکول ہے، جو دہلی میں مسلمانوں کا بہترین اسکول سمجھا جاتا ہے، اور جس کے ہیڈ ماسٹر مولوی فضل الدین صاحب بی۔ اے بہت دیندار، محنتی اور منتظم آدمی ہیں، اس اسکول میں بعض مقابر قدیمی قابل دید ہیں ان کو ضرور دیکھنا چاہیئے۔

بلیماران:- یہ بازار چاندنی چوک کے وسط سے شروع ہو کر چاوڑی پر آ کر ختم ہوتا ہے۔ اس بازار میں حکیم مسیح الملک بہادر رہتے ہیں، اور ہندوستانی دواخانہ۔ یونانی دواخانہ اور فیض الحسن صاحب کا دواخانہ ہے۔ پلنگ صندوق اور جہیز کا سامان بنانیوالوں کی دوکانیں اس میں ہیں۔

چاندنی چوک سے بلیماروں میں جاؤ تو تیس چالیس دوکانوں کے بعد جنرل نیوز ایجنسی کی دوکان ملتی ہے، جہاں دُنیا بھر کی زبانوں کے اخبارات اور تازہ اشاعت ملکی و قومی کتابیں فروخت ہوتی ہیں۔

جامع مسجد بازار:- جامع مسجد دہلی کے آس پاس بازار ہے۔ غرب میں چاوڑی ہے اور گوشۂ شمال و غرب میں بگیاں کرایہ کی کھڑی ہوتی ہیں، اور گوشۂ جنوب و غرب میں پُرانی چیزیں بیچنے والے دُکانیں لگاتے ہیں۔

مسجد کے یہاں شمال میں دریبہ کو راستہ گیا ہے، اور لالہ فقیر چند مشہور ہاتھی دانت کے کھلونے والے کی عالی شان دوکان ہے۔ اس بازار کا نام پائے والان ہے، کیونکہ پہلے یہاں پلنگ کے پائے بنتے تھے، اور اب بھی ایک آدھ دوکان ہے۔ یہیں شہر کا بڑا شفاخانہ ہے۔

مسجد کے جنوب میں بازار چتلی قبر کو راستہ گیا ہے، اور مسجد کے نیچے شربت والے اور کبابی وغیرہ دوکانیں لگاتے ہیں، اور شرق کے گوشہ پر شام کو گزری بازار لگتا ہے۔ جہاں شام کو ہر قسم کے کپڑے اور متفرق چیزیں فروخت ہوتی ہیں، مسجد کے شرق میں میدان ہے اور حضرت صوفی سرمدؒ کا مزار ہے، اور پریڈ کے میدان میں یہیں سے حضرت شاہ کلیم اللہؒ جہان آبادی کا مزار نظر آتا ہے، جو چشتیہ نظامیہ سلسلے کے بزرگ مشہور بزرگ تھے۔ شام کے وقت گزری بازار کے برابر مسجد کی سیڑھیوں پر مرغ۔ کبوتر۔ طوطے۔ مینا۔ لال۔ بٹیڑی وغیرہ جانور فروخت ہوتے ہیں

چتلی قبر:- جامع مسجد کے جنوب میں راستہ گیا ہے اور دہلی دروازہ پر یہ بازار ختم ہوا ہے۔ اس بازار میں معمولی کاروبار کی دوکانیں ہیں اور غریب مسلمانوں کے محلے زیادہ تر اس بازار کے آس پاس آباد ہیں۔ اس بازار میں حضرت میرزا جان جاناں مظہرؒ کی خانقاہ ہے جہاں شاہ ابو الخیر صاحب رہتے ہیں۔

دریا گنج:- پہلے اس بازار کا نام فیض بازار تھا۔ بے رونق اور اُجاڑ بازار ہے اور دہلی دروازہ پر ختم ہوگیا ہے۔ جامع مسجد سے مشرق و جنوب کی گوشہ سے اسکا راستہ جاتا ہے۔ جامع مسجد کے شرق میں ایک بڑا وسیع میدان ہے پہلے یہاں محلے آباد تھے جو غدر ۱۸۵۷ء میں ڈھا دیے گئے۔ اس میدان کو پریڈ کا میدان کہتے ہیں، اس کے جنوبی حصے میں ایڈورڈ پارک ایک خوبصورت باغیچہ اور اُس کے سامنے وکٹوریہ زنانہ ہسپتال ہے۔ اس ہسپتال سے مغرب کی طرف آگے بڑھکر پردہ دار باغ ہے جو صرف پردہ نشین عورتوں کیلئے مخصوص ہے

دہلی کے باغ

شہر کے اندر کمپنی باغ ہے جس میں کمیٹی گھر بنا ہوا ہے۔ شہر کے باہر کشمیری دروازہ سے نکلکر "قدسیہ باغ" ہے۔ اس کے گوشۂ غرب میں نکلسن گارڈن ہے۔ اور سبزمنڈی کے پاس روشن آرا کا باغ ہے۔ محل داخلاں ہے جہاں عید کے بعد ٹرکا میلہ ہوتا ہے۔ انکے سوا اور بھی چند باغ ہیں، مگر اب وہ زمانہ گیا جب باغ دل کی خوشی اور آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیئے لگائے جاتے تھے۔ اب تو باغ بھی دوکانیں ہیں، پیٹ کی روٹی کمانے کے کارخانے ہیں۔ اس واسطے انکو باغ کہنا فضول ہے۔

دہلی کی فصیل کے پاس کشمیری دروازہ۔ گندہ نالہ۔ موری دروازہ کے بازار

اور آبادیاں ہیں، کشمیری دروازہ کے بازار میں میز۔ کرسی اور انگریزی ضروریات کی دوکانیں ہیں، جن میں دیسی بھی ہیں اور انگریزوں کی بھی۔ طامس کک۔ اور کنگ کنگ کمپنیوں کے دفتر بھی ہیں، جو دُنیا بھر کے مسافروں کا انتظام سفر کرتی ہیں یہیں غدر سے پہلے کا پُرانا گرجا ہے۔ غدر ۱۸۵۷ء میں اس کے کلس پر باغیوں نے گولیاں ماری تھیں، وہ کلس ابتک گرجا کے صحن میں رکھا ہوا ہے کشمیری دروازہ کے برابر شہر کی کچہریاں ہیں اور مشن کالج اور اُسکا بورڈنگ ہے۔

یہیں حسین بخش شملہ والے مشہور سوداگر کی دوکان ہے اور اُسکی برابر موٹر کمپنی ہے اور اُس کے پاس میرٹھ کی شہرۂ آفاق دوکان ہے جس کے مالک عبدالغنی اینڈ برادرز ہیں، یہاں ہر قسم کا سامان خصوصاً گاڑی گھوڑے کا اسباب اچھا ملتا ہے۔

کشمیری دروازہ کے باہر نکلسن کی مورت اور باغ ہے، اور آگے جاکر کوٹھیاں اور کلب ہیں۔ یہیں چیف کمشنر دہلی کا دفتر ہے اور اس سے آگے میڈن ہوٹل ہے اور اس سڑک پر آگے جاکر گورنمنٹ کی عارضی عمارتیں ہیں جہاں وائسرائے رہتے ہیں اور اُن کے عملہ کے دفاتر ہیں۔

موری دروازہ کے بازار میں چند دُکانیں ہیں، اور گندا نالہ اسی کے قریب ہے، جہاں شیعہ مسلمان زیادہ رہتے ہیں۔ موری دروازہ کے باہر "سل ہوٹل" ہے میڈن ہوٹل اور سل ہوٹل میں زیادہ تر انگریز قیام کرتے ہیں۔

سبزی منڈی:۔ یہ ایک محلہ دہلی کا ہے، مگر شہر کی فصیل سے ایک میل دور ہے۔ موری دروازہ سے اور صدر بازار سے راستہ گیا ہے یہاں سبزی اور پھلوں کی منڈی ہے اور میوہ فروش اور باغ لگانیوالے مسلمان تاجروں کی یہاں آبادی ہے۔

قدم شریف:۔ اجمیری دروازہ اور فراشخانہ کی کھڑکی کے باہر بہت آبادی

ہو گئی ہے۔ اس آبادی میں قدم شریف اور حضرت خواجہ باقی باللہ صاحبؒ کی درگاہیں ہیں۔

ٹراموے

دہلی میں ٹراموے چلتی ہے۔ ہندو راؤ کے باڑے سے جو صدر بازار کا آخری حصہ پر آباد ہے جامع مسجد تک جاری ہے، سبزی منڈی تک جاتی ہے۔ چاندنی چوک۔ چاوڑی۔ لال کنوئیں صدر بازار وغیرہ مقامات پر ملتی ہے۔

فقرا و علما

دہلی میں آجکل یہ علما و فقرا مشہور ہیں:۔

میاں عبدالصمد صاحب:۔ یہ پنڈت کے کوچہ میں رہتے ہیں اور چشتیہ نظامیہ فخریہ سلسلہ کے نامور بزرگ ہیں۔

شاہ ابوالخیر صاحب:۔ یہ چتلی قبر بازار میں رہتے ہیں، اور نقشبندیہ خاندان کے مشہور درویش ہیں اور ملنے کے قابل ہیں۔

مولانا نور محمد صاحب:۔ یہ بھی چتلی قبر بازار میں رہتے ہیں، اور نظامیہ چشتیہ سلسلہ کے درویش ہیں اور ملنے کے قابل ہیں۔

شاہ کرار حسین صاحب:۔ دریا گنج بازار میں رہتے ہیں۔ صابریہ خانقاہ کے سجادہ نشین ہیں، ان کے جدِ امجد شاہ سید امیر حسین صاحب بڑے بزرگ تھے جنکا مارچ ۱۹۱۷ء میں انتقال ہو گیا۔

مولانا کرامت اللہ صاحب:۔ ہندو راؤ کے باڑے میں صدر بازار کے قریب رہتے ہیں، اچھے واعظ اور صوفی مشرب عالم ہیں۔

عربی مدرسے

سُنہری مسجد چاندنی چوک میں مدرسۂ امینیہ اوّل درجہ کا کامیاب عربی مدرسہ ہے، جہاں کے مہتمم مولوی امین الدین صاحب بڑے نیک اور منتظم آدمی تھے اور جہاں کے صدر مدرس مولوی کفایت اللہ صاحب عربی زبان کے شاعر و ادیب اور بیدار مغز مفتی ہیں۔ (اب یہ مدرسہ کشمیری دروازہ کے قریب چلا گیا ہے۔)

مدرسہ فتحپوری :- فتحپوری مسجد میں بھی ایک عربی مدرسہ ہے۔

مدرسہ عبد الرب صاحب :- گندہ نالہ کے پاس مولوی عبد الرب صاحب کے مدرسہ میں ایک عربی درسگاہ مدت سے قائم ہے۔

اِن کے علاوہ اور بہت سے چھوٹے چھوٹے عربی مدارس و مکاتب ہیں۔

حکیم ڈاکٹر

دہلی میں حکیم محمد اجمل خاں صاحب کا نام تو سب کو معلوم ہے، اُن کے برادر زادہ حکیم محمد احمد خاں صاحب بھی مطب کرتے ہیں اور بہت خلیق اور ذی علم طبیب ہیں۔ حکیم محمد اجمل خاں صاحب کے دوسرے قریبی عزیز حکیم غلام کبریا خاں صاحب ہیں جنکا عرف حکیم بھورے خاں ہے، آجکل ان کے مطب میں بھی بہت رجوعات ہے، اور ان کے دستِ شفا کے لوگ قائل ہو رہے ہیں، یہ بھی بلیماروں کے محلّہ میں حکیم محمد اجمل خاں صاحب کے مطب کے قریب رہتے ہیں۔

گلی حکیم بقا کے اطبا :- یہ گلی بلیماروں کے اخیر میں حوض قاضی کے قریب واقع ہے، اس میں کئی طبیب ہیں اور آنکھوں کے علاج میں ان کی شہرت ہے۔

حکیم محمد شفیع صاحب :- یہ بھی آنکھوں کے معالج ہیں اور صرف آنکھوں کے

علاج میں ان کی دور دور دھوم ہے۔ پہاڑ گنج میں اجمیری دروازہ کے باہر رہتے ہیں اور کوچۂ نٹواں متصل گھنٹہ گھر میں مطب کا مکان ہے۔

ڈاکٹر انصاری ولایت کے مشہور سند یافتہ ڈاکٹر ہیں۔ بہت خلیق۔ بہت دانشمند اور فن جراحی میں خصوصاً قابل مانے جاتے ہیں۔ غربا کو مفت دیکھ لیتے ہیں، باہر ریاستوں میں بہت بُلائے جاتے ہیں، ان کا مطب فتحپوری بازار کے کمروں پر ہے۔ اور رہائش کوٹھی نمبر ۱ دریا گنج میں ہے۔

ڈاکٹر عبدالرحمٰن:۔ یہ بھی ولایت کے سند یافتہ اور تقریباً مثل ڈاکٹر انصاری کے ہیں، ان کی شہرت تشخیص مرض میں بہت ہے۔ بہت خلیق ہیں، ان کا مطب فتحپوری کے سامنے چاندنی چوک کے ابتدائی گوشہ پر ہے۔ اور دواخانہ اس کے نیچے۔

ڈاکٹر شراف:۔ یہ پارسی ڈاکٹر ہیں، آنکھوں کے علاج میں ثانی نہیں رکھتے، ولایت کے سند یافتہ اور بہت خلیق ہیں، ان کا مطب چاندنی چوک کے آخری حصّہ میں لال قلعہ کے قریب دہلی لندن بنک کے برابر بالاخانہ پر ہے۔

ڈاکٹر سراج الدین:۔ بہت تجربہ کار جرّاح ہیں، دیسی وانگریزی دونوں علاج جانتے ہیں، فن جراحی میں مثل نہیں رکھتے۔ پھاٹک حبش خاں میں مطب کا مکان ہے، جبکا راستہ کھاری باؤلی بازار سے ہے۔

ان کے علاوہ اور صدہا وید۔ حکیم۔ ڈاکٹر اس شہر میں ہیں جنکی طرف خلقت کی رجوعات ہے۔ میں نے صرف دو چار نام لکھدیئے ہیں کیونکہ سب کی فہرست لکھنے کی گنجائش نہ تھی۔

دواخانے

دیسی اور یونانی دواؤں کے بہت سے دواخانے دہلی میں ہیں، ان میں

ہندوستانی دواخانہ سب سے ممتاز اور اعلےٰ ہے جو بلیماروں کے بازار میں ہے، اسی کے برابر یونانی دواخانہ جمال الدین صاحب مرحوم کا ہے، یہ بہت قدیمی اور معتبر دواخانہ کہا جاتا ہے، اسی کے سامنے فیض بخش صاحب کا دواخانہ ہے۔ لال کنوئیں کے بازار میں قاسم جان کی گلی کے سامنے بہدرد دواخانہ ہے میر انوار احمد صاحب دواخانۂ ہندوستانی کے دواساز ہیں انہوں نے دواسازی کے ایسے لاجواب آلات ایجاد کیے ہیں جو ولایتی آلات کو مات کرتے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالرحمٰن کا انگریزی دواخانہ فتحپوری پر واقع ہے جو مختصر ہے مگر معتبر ہے چاندنی چوک میں فتحپوری سے ذرا آگے بڑھکر احسان احسان کمپنی کی دوکان ہے جس کے ہاں ہر قسم کی انگریزی ادویات فروخت ہوتی ہیں۔

فوارہ پر ڈاکٹر ہیم چندر سین کا دواخانہ انگریزی سب دواخانوں سے بڑا اور معتبر ہے۔ جہاں ہر قسم کے نسخے بنائے جاتے ہیں اور بجا اچھا اور معتبر انتظام ہے۔

دہلی کے باکمال آدمی

دہلی میں جس قدر کامل الفنون لوگ تھے وہ تو سب غدر ۱۸۵۷ء میں ختم ہو گئے دو چار صورتیں نظر آتی ہیں اُن کے نام یہ ہیں :-

حکیم اجمل خاں :- حکیم حافظ محمد اجمل خاں کئی فنون کے کامل ہیں طب یونانی کی واقفیت اور تجربۂ علاج میں انکا ثانی ہندوستان بھر میں نہیں ہے۔ ڈاکٹری کا تجربہ بھی ان کو ہے یورپ و عرب کی سیاحت میں ان کے کمالات کو بہت ترقی ہوئی ہے۔

ملک کی تعلیمی و سیاسی معاملات میں ان سے بہتر دہلی میں کوئی شخص رائے نہیں دے سکتا ہندو مسلمانوں کے اتحاد باہمی کے عملی ذرائع ان سے زیادہ کوئی نہیں جانتا جنپر وہ

عمل کرتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ مہاتما گاندھی نے ان کو اپنا جانشین کیا ہے۔

عربی و فارسی کے کامل ادیب ہیں۔ کامل شاعر ہیں، شرفائے دہلی کی قدیم خصوصیات ان کی ہستی میں مکمّل نظر آتی ہیں، انہوں نے دہلی میں دائیوں کا مدرسہ بنایا ہے۔ طبّیہ درسگاہ چلا رہے ہیں طبّیہ کالج قائم کیا ہے، طبّیہ کانفرنس کرتے رہتے ہیں ہندوستانی دواخانہ یورپین اصول پر انہی کی ایجاد ہے۔

غرض کامل الفنون اصحاب میں دہلی کے سب سے بڑے کامل الفن ہیں جو لوگ دہلی کی سیر کو آئیں، ان کو ضرور دیکھیں۔ ملنے کی کوشش نہ کریں۔ ان کو فرصت نہیں ملتی، مطب میں جا کر صورت دیکھ لینی چاہیئے کہ دہلی کا سب سے بڑا کامل الفن یہ ہے جس سے دہلی کی عزّت اور تمام ہندوستان کی آبرو قائم ہے۔

نواب سراج الدین احمد خاں سائل :۔ داغ مرحوم کے داماد۔ خاندانی رئیس زادے ہو مشہور باکمال شاعر ہیں، لال دروازہ میں رہتے ہیں جو لال کنوئیں کے بازار میں واقع ہے۔

سید وحید الدین بیخود :۔ داغ مرحوم کے لائق و فائق شاگرد ہیں۔ شعرائے دہلی کی اوّل صف میں ان کا شمار ہے۔ مٹیا محل میں مکان ہے جو جامع مسجد سے چتلی قبر بازار آتے وقت دائیں ہاتھ کو ملتا ہے۔

شہزادہ میرزا امیر الملک :۔ نسل تیموریہ کی بے نظیر نشانی ہیں، خاص قلعہ کے محاوروں میں شعر کہتے ہیں، چاندنی محل میں مکان ہے جو چتلی قبر سے دہلی دروازہ جاتے وقت بائیں ہاتھ کو ملتا ہے۔ شہر میں ان کی خاندانی عظمت، اور ذاتی بزرگی کے سبب بہت عزّت ہے۔ عجب شگفتہ طبیعت اس بڑھاپے میں ان کی ہے جس کا لطف ملنے ہی سے آتا ہے۔

مولانا راشد الخیری :۔ دہلی کے مشہور ادیب اور نامور مصنّف ہیں،

عورتوں کی حمایت میں خوب قلم فرسائی کرتے ہیں، مضامین غم ادا میں کمال حاصل ہے، کوچہ چیلاں میں مکان ہے۔

میر باقر علی داستان گو:۔ فن داستان گوئی کی آخری مگر مکمل صورت ہیں، دہلی میں ان کے بعد داستان گوئی کا خاتمہ ہے جس کو دیکھنا ہو دیکھ لے۔ سننا ہو سن لے، بھوجلا پہاڑی پر مکان ہے جسکا راستہ چتلی قبر سے گیا ہے۔

مولوی بشیر الدین احمد:۔ شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم کے فرزند اور جانشین ہیں، بڑے لائق اور متعدد کتب کے مصنف ہیں۔ حیدرآباد میں کلکٹر تھے، پنشن لیکر آئے اور خدمت خلق میں مصروف ہیں۔ گلی بتاشہ متصل کھاری باؤلی میں مکان ہے۔

مولوی سید احمد:۔ جامع مسجد دہلی کے شاہی امام ہیں، بڑے نیکمزاج اور غربا پرور ہیں، حکام میں ان کی عزت تمام باشندگان دہلی سے زیادہ ہے۔ جامع مسجد کے سامنے مکان ہے۔

دہلی کے اخبار و پریس

آجکل دہلی میں تین روزانہ اخبار ہیں، ایک انگریزی جسکا نام "ایسٹرن میل" ہے اور جسکا دفتر کشمیری دروازہ سے باہر ہے۔ اور دو اردو کے ہیں۔ ایک "کانگریس" دوسرا فتح۔

مشہور ماہوار رسالے یہ ہیں:۔

نظام المشایخ صوفیوں کا ارگن ہے درویش پریس سے نکلتا ہے۔ اسی پریس سے رسالہ **استانی**، رسالہ **گلچیں** اور رسالہ **خطیب** بھی نکلتا ہے۔ ملا محمد الواحدی مالک و ایڈیٹر ہیں، دفتر کوچہ چیلاں میں ہے۔

عصمت عورتوں کا ارگن ہے۔ مولانا راشد الخیری کوچۂ چیلان سے شائع کرتے ہیں۔

رسالہ دین و دُنیا مچھلی والوں کے محلہ سے نکلتا ہے، جس کے مالک محمد انوار ہاشمی ہیں۔ یہ رسالہ اُردو زبان کے تمام ماہوار رسالوں سے زیادہ اشاعت رکھتا ہے۔

دہلی میں کئی بڑے چھاپہ خانے مشین کے ہیں، جو بجلی کی طاقت سے کلوں پہ چھاپتے ہیں، ایک کا نام "دلّی پرنٹنگ" ہے جو حوض قاضی کے متصل چاوڑی میں واقع ہے، اور دوسرا "سوراج پرنٹنگ" محلہ چوڑیگران میں ہے، اور تیسرا اثنا عشری پریس ہے جو چتلی قبر میں ہے۔

دستی چھاپہ خانے یوں تو بہت ہیں مگر اچھا چھاپنے والے پریس دو چار ہیں، ان میں درویش پریس۔ حمیدیہ پریس۔ محبوب المطابع وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔

خوشنویس

دہلی میں آجکل اعلیٰ درجہ کے خوشنویس یہ لوگ ہیں :-

ملک الکلام منشی سید لائق حسین قوی :- ہر زبان کی عبارت نہایت عمدہ لکھتے ہیں، مصوری اور نقاشی میں کمال ہے۔ ڈزائن خوب بناتے ہیں، اعلیٰ درجہ کے شاعر ہیں۔

منشی محمد دین اُستاد مانے جاتے ہیں، پوسٹر لکھنے میں کمال ہے۔

منشی عین الحسن جرّی خوشنویسی اور نقاشی ہیں۔

منشی نور احمد لیبل بنانے میں کمال ہے۔

منشی عبد الغنی :- عربی خط کے اُستاد ہیں نستعلیق بھی خوب لکھتے ہیں۔

منشی محمد احمد :- نستعلیق کے نامور خوشنویس ہیں

دہلی کی سوغاتیں

چوڑیاں۔ چاندی کے برتن۔ چاندی کے ہلکے سادہ کاری زیور۔ جوتیاں حلوا سوہن۔ پیٹھے کی مٹھائی۔ قلاقند۔ کباب۔ حلیم۔ چنے۔ نہاری بہت مشہور ہیں۔

چوڑیاں لاکھ کی ہوتی ہیں۔ لال کنوئیں اور بلیماروں میں دوکانیں زیادہ ہیں چاندی کے برتن کوچہ استاد حامد میں بنتے ہیں سب کاریگر مسلمان ہیں، اور شاہی زمانہ کے صناع ہیں۔

یہ برتن دریبہ بازار میں فروخت ہوتے ہیں۔ خریدار کو دو چار دکانیں دیکھکر خریدنے چاہئیں۔

چاندی کے ہلکے زیور:۔ نونگے۔ چھلّے۔ انگوٹھیاں، بہت خوبصورت اور بہت کم قیمت پر دریبے میں، ہزار ہا روپیہ کے بکتے ہیں۔ ان کو بھی خریدا جائے تو کئی دوکانوں پر پھر کر اور نرخ کا موازنہ کرکے خریدنا چاہیئے۔ انجان خریدار دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

جوتیاں:۔ چاوڑی بازار زیر جامع مسجد اور چاندنی چوک متصل بلیماران میں اچھی ملتی ہیں، ہر قسم کی کامدار صنعت دہلی کی یادگار دستیاب ہوتی ہیں، یہاں بھی دو چار جگہ پھرنا اور ذرا قیمت میں غور کرکے سودا خریدنا چاہیئے۔

حلوا سوہن کی بہت سی دوکانیں ہیں مگر شاہی دوکان چاندنی چوک میں مسلمان حلوائی کی ہے جسکا بیان اوپر کیا گیا ہے۔

پیٹھے کی مٹھائی اور قلاقند وغیرہ فوارہ کے قریب چاندنی چوک میں خریدنی چاہئیں وہاں دو ہندوؤں کی دوکانیں ہیں اور یہ دونوں شاہی حلوائی مشہور ہیں مٹھائیاں گراں دیتے ہیں، مگر چیز اچھی ملتی ہے +

کباب۔ دہلی میں سیخ کے کباب بہت مشہور ہیں۔ جیتلی قبر پر ابو کبابی۔ اور بلیماروں میں اور بڑیوں کے کٹڑے میں چند اچھے کبابیوں کی دوکانیں ہیں، مگر یہ لوگ میلے بہت ہوتے ہیں، گو کباب کے مزے میں کلام نہیں۔

دہلی کا حلیم بھی مشہور ہے۔ جامع مسجد کے نیچے اس کی دوکانیں ہیں۔

بُھنے ہوئے چنے دہلی جیسے کہیں نہیں ہوتے۔ پہلے شہر کے سب ادنےٰ اعلےٰ لوگ روزانہ صبح گرم گرم چنے کھایا کرتے تھے، اب رواج کم ہے۔ مگر ہے ضرور۔ جگہ جگہ بھڑبونجوں کی دوکانیں ہیں۔ جامع مسجد کے سامنے لالہ بھڑبونجہ کی دوکان بہت مشہور ہے۔

نہاری یہ ایک قسم کا سالن ہے جو سردی کے موسم میں صبح کے وقت کھایا جاتا ہے۔ سارے شہر کے لوگ اس کے عاشق ہیں، دہلی جیسی نہاری ہندوستان میں کہیں نہیں بکتی۔ مٹیا محل پر ایک دوکان حاجی نہاری والے کی مشہور ہے چاندنی چوک میں گھنٹہ گھر کے سامنے ایک دوکان ہے اس کی بھی بہت شہرت ہے۔ فراشخانہ کے سامنے ملک محمد فضل کی دوکان ہے۔ انکی نہاری کو لوگ بہت ہی پسند کرتے ہیں

شہر کے اندر قابل دید مقامات

دہلی کے اندر دیکھنے کے قابل جامع مسجد ہے اس کے اندر مشرقی کونہ میں تبرکات کی درگاہ ہے یہ تبرکات بہت معتبر اور شاہی زمانہ کے سندی ہیں۔

ترکمان دروازہ کے قریب جسکا راستہ حوض قاضی سے سیتارام کے بازار ہوتا ہوا گیا ہے ایک پرانی مسجد ہے جس کو کلاں مسجد کہتے ہیں۔ یہ فیروز شاہ تغلق کے زمانہ کی بنی ہوئی ہے اسی کے قریب حضرت شاہ ترکمان صاحب کی درگاہ ہے۔

لال قلعہ:۔ اس کے اندر دیوانِ عام۔ دیوانِ خاص۔ شاہی حمام۔ موتی مسجد دیکھنے

کلاں مسجد (یا کالی مسجد) ہے فیروز شاہ تغلق کے
خانِ جہاں کی قبر ہے -

کے قابل چیزیں ہیں۔ قلعہ کے مفصل حالات ضمیمہ میں دیکھیئے۔

قلعہ کے جنوبی رُخ جمنا کے کنارے زینت المساجد ایک شاندار مسجد ہے جسکو زینت النساء بیگم نے بنوایا تھا، بالکل جامع مسجد دہلی کا نمونہ ہے۔ یہاں زینت النساءٔ کی قبر بھی تھی جسپر یہ شعر کندہ تھا، اب اس قبر کا نشان نہیں ملتا۔

مونسِ ما در لحد فضلِ خدا تنہا بس است
سایۂ از ابرِ رحمت قبر پوشِ ما بس است

(دیکھو دہلی گائڈ صفحہ ۳)

قلعہ کے سامنے پریڈ کے میدان میں ایک چھوٹی سی مسجد نہایت خوبصورت ہی اِسکا نام سُنہری مسجد ہے۔ آجکل یہ فوجی قبضہ میں ہے۔

چاندنی چوک کی سُنہری مسجد بھی قابل دیکھنے کے ہے، اِس کے بُرجوں پر سُنہری پترا چڑھا ہوا ہے، یہ مسجد ایک بڑے تاریخی واقعہ کی یادگار ہے۔ یہاں نادرشاہ بادشاہ ایران نے دہلی کے قتل عام کا حکم دیا تھا اور جب تک لاکھوں بیگناہ قتل ہوتے رہے نادر اس مسجد میں بیٹھا رہا۔

سُنہری مسجد کے سامنے سکھوں کا گرودوارہ ہے۔ یہاں گرو تیغ بہادر کی یادگار ہے۔ کہتے ہیں پہلے یہاں مسجد بنی ہوئی تھی۔ غدر کے بعد سکھوں کو یہ جگہ مل گئی، کیونکہ یہاں گروصاحب کی سمادھی تھی، اور بعد میں مسجد بنائی گئی تھی۔

دہلی کی ہارڈنگ لائبریری بھی قابل دید ہے، جو کمپنی باغ میں متصل فوارہ چاندنی چوک واقع ہے۔

دہلی کے باہر مگر قریب

قدم شریف کی درگاہ ہے، یہ فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں بنی ہے اس کے اندر فیروز شاہ تغلق کے بیٹے فتح خاں کی قبر ہے جسکے سینہ پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و

(نوٹ) قلعہ اور جامع مسجد کے بیچ میں حضرت کلیم اللہ جہاں آبادی کا درگاہ واقع ہے

آلہ وسلم کے قدم مبارک کے نشان کا پتھر لگا ہوا ہے، ہر سال یہاں ربیع الاوّل میں میلہ لگتا ہے، اور تمام شہر کا قبرستان بھی یہیں ہے۔ اسی قبرستان میں اُستاد ذوق کی قبر واقع ہے، جس کے سرہانے بادشاہ کی لکھی ہوئی اور بادشاہ کی کہی ہوئی تاریخ کندہ ہے۔

ایسی ہی ایک تاریخ جو خاص بہادر شاہ کے ہاتھ کا خط ہے۔ زینت محل کے کمرہ پر لگی ہوئی ہے، یہ کمرہ لال کنوئیں بازار کے قریب واقع ہے اور آج کل مہاراجہ پٹیالہ کے قبضہ میں ہے۔ تاریخ کا پتھر دروازہ پر لگا ہوا ہے جسکو سڑک پر سے گزرنے والا ہر شخص دیکھ سکتا ہے اور بادشاہ کے دستخط کی زیارت کر سکتا ہے۔

درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ صاحبؒ:- یہ درگاہ بھی قدم شریف کے قریب واقع ہے۔ نقشبندیہ خاندان کی مشہور درگاہ ہے خواجہ صاحب حضرت مجدد الف ثانی سرہندی کے پیر و مرشد تھے، قدم شریف اور اس درگاہ میں جانا ہو تو ٹرام کار میں قطب روڈ کا ٹکٹ لینا چاہیئے۔ صدر بازار کے ابتدائی گوشہ پر گاڑی ٹھہرے تو جنوب کی سڑک پر چلے جاؤ۔ پہلے خواجہ صاحب کی درگاہ ملے گی اور اسکے بعد قدم شریف۔

دہلی کے محدثین

ترکمان دروازہ سے نکلکر جاؤ تو تھوڑی دور جاکر سڑک کے جنوبی جنگل میں ایک مقام آئے گا جس کو عوام مہندیاں کہتے ہیں، یہاں ایک احاطہ ہے جس کے اندر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی حضرت شاہ عبد القادر صاحب مترجم قرآن وغیرہ تمام نامور علماء کے مزارات ہیں۔

شہر کے دہلی دروازہ کے باہر بالکل سامنے جنوب کی طرف جمنا دریا کے کنارے فیروز شاہ بادشاہ کا قلعہ نظر آتا ہے جسکو کوٹلہ کہتے ہیں، یہ بالکل ٹوٹا پھوٹا کھڑا ہے اور اس میں ایک پتھر کا مینار نصب ہے جسکا طول بیس گز سے زیادہ ہوگا۔ یہ مینار

کرنڈ پتھر کا ہے، اسپر سنسکرت حروف میں کچھ لکھا ہے، عام لوگ کہتے ہیں کہ اس قلعہ میں خزانے ہیں اور ان کا حال اس مینار پر تحریر ہے، مگر اصل واقعہ یہ ہے کہ فیروز تغلق نے کسی مندر سے لاکر اس کو یہاں لگایا تھا اور بدھ مذہب کے راجہ اشوکھ نے اسپر مہاتما بدھ کی نصائح کندہ کرائی تھیں۔

خونی دروازہ اس کوٹلہ فیروز شاہ کے سامنے سڑک کے کنارے جیلخانہ ہے۔ مغرب میں جیل کی عمارت ہے اور مشرق میں سڑک کے پاس ایک دروازہ ہے یہ پرانی دہلی کا دروازہ ہے، اسی دروازہ پر عبدالرحیم خانخاناں کے لڑکوں کے سر کاٹکر لٹکائے گئے تھے، اور اسی دروازہ پر داراشکوہ کا سر کٹ کر آویزاں ہوا تھا اور اسی دروازہ پر داراشکوہ کے لڑکے کا کٹا ہوا سر مدتوں لٹکا رہا، اور اسی دروازہ پر ایام غدر ۱۸۵۷ء میں بہادر شاہ کے لڑکوں کے کٹے ہوئے سر آویزاں ہوئے ہیں۔

دور کی عمارتیں

دہلی کے اندر اور پاس پاس کی قابل دید چیزوں کا حال سن لیا۔ اب شہر سے ذرا دور چلو اور پرانی دہلی کے کھنڈرات کی سیر کرو۔ باہر کی کیفیت بیان کرنے سے پہلے یہ مناسب ہے کہ تم کو سواری کا طریقہ بتا دیا جائے، کیونکہ باہر کی عمارتیں بہت دور دور ہیں، اور بغیر سواری کے وہاں جانا مشکل ہے۔

دہلی میں کئی قسم کی سواریاں ملتی ہیں، امیر لوگ موٹروں میں سیر کرنے جاتے ہیں جن سے راستہ جلدی طے ہوتا ہے، اور جو جگہ جگہ اور ریل پر کرایہ کو بکثرت دستیاب ہوسکتی ہیں، درمیانی حالت کے مسافر لینڈو۔ پالکی۔ تانگہ۔ یکہ میں سوار ہوتے ہیں یہ سواریاں ریلوے اسٹیشن پر اور فنجوری کے سامنے اور جامع مسجد کے پہلو میں اور کشمیری دروازہ کے باہر کلب گھر کے مقابل کھڑی ہوئی ملتی ہیں، ان کے نرخ

کمیٹی نے مقرر کر دیے ہیں، مگر گاڑی والے اجنبی مسافروں کو بہت ستاتے ہیں اور بعض اوقات مقررہ نرخ سے زیادہ وصول کر لیتے ہیں، لہٰذا مسافروں کو چاہیئے کہ گاڑی والے سے نرخنامہ مانگ کر دیکھ لیں اور اُسی کے موافق کرایہ دیں۔

نرخ کمیٹی کا ذرا زیادہ ہے، اس واسطے بعض اوقات گاڑی والے مقررہ نرخ سے کم بھی کرایہ لے لیتے ہیں، مسافروں کو چکا لینا چاہیئے۔

مقبرۂ ہمایوں۔ درگاہ حضرت سلطان جی صاحب اور مقبرۂ منصور صفدر جنگ اور پُرانا قلعہ دہلی کی حد کے اندر کمیٹی نے شمار کیے ہیں، اس واسطے یہاں بھی گھنٹوں کے حساب سے سواریاں آسکتی ہیں، مگر گاڑی والے نرخ کا کاغذ مسافروں سے چھپاتے ہیں اور گھنٹوں کے حساب سے ان مقامات پر نہیں لاتے اور زیادہ کرایہ لے لیتے ہیں (اب یہ قاعدہ بدل گیا ہے ان مقامات کے نرخ علیحدہ مقرر ہوئے ہیں)

پُرانا قلعہ

کوتلہ سے ایک میل آگے بڑھکر پُرانا قلعہ نظر آئے گا۔ اس کے اندر جایئے اور دیکھیئے۔ یہ قلعہ بہت پُرانا ہے، ہندوؤں کے مشہور کورو پانڈوں کے زمانہ میں بنا تھا، مگر ٹوٹا پڑا تھا، جسکی دوبارہ مرمت اور تعمیر ہمایوں بادشاہ اور شیر شاہ بادشاہ نے کی، اور اسکا نام دین پناہ رکھا۔

شیر شاہ نے اس کے اندر ایک مسجد اور ایک مکان شیر منزل بنوایا تھا۔ یہ دونوں آج تک موجود ہیں، شیر منزل کو لوگ شیر منڈل کہتے ہیں۔ اسی شیر منڈل کی سیڑھیوں سے ہمایوں بادشاہ پھسلکر گر پڑا تھا اور مر گیا تھا۔ اور اس کے مرنے کی تاریخ "ہمایوں بادشہ از بام اُفتاد" ہوئی تھی۔

پُرانے قلعہ کے باہر

بہت سی اونچی نیچی ٹوٹی پھوٹی عمارتیں کھڑی ہیں۔ یہ پُرانی دہلی کے جوہری بازار اور موتی بازار کی دوکانیں ہیں، سڑک کے غرب میں ایک بڑی مسجد کھڑی ہے جسکا دروازہ سنگِ سُرخ کا ہے، یہ اکبر بادشاہ کی دائی ماہم انگہ نے بنوائی تھی، اس میں ایک عالی شان مدرسہ تھا، جہاں دہلی کے نامور علماء نے تعلیم پائی ہے، مولانا عبدالحق محدث دہلوی نے بھی اسی مدرسہ میں پڑھا ہے۔

مسجد کے برابر ایک بڑا دروازہ فصیل کے ساتھ نظر آتا ہے اور دروازہ کے سامنے دوکانوں کے سے نشانات ہیں، اس مقام کا نام اگلے وقتوں میں لال چوک تھا، اور یہاں شام کے وقت بادشاہزادے، وزیرزادے۔ امیروں کے لڑکے گھوڑوں پر سوار ہوکر اور بن سنور کر نکلا کرتے تھے، تاریخوں میں لکھا ہے کہ اُس وقت یہاں بڑی بہار ہوتی تھی، اور لال چوک دہلی کا مشہور عظیم الشان رونق دار بازار کہلاتا تھا۔ مگر آج کل یہاں ہو کا عالم ہے، اور جنگلی گیدڑ دوڑتے پھرتے ہیں۔

پُرانے قلعہ کو ہندو راجاؤں کے وقت میں اندرپرستھ کہتے تھے اور اب بھی اس گاؤں کا نام سرکاری کاغذوں میں اندرپت لکھا جاتا ہے۔

اس پُرانے قلعہ کے آس پاس دہلی آباد تھی، اور یہیں راجہ پانڈوں کے پانچوں بیٹے ارجن۔ بھیم۔ یدھشتر۔ نکل۔ سہدیو راج کرتے تھے، اور اُنھوں نے یہاں ایک عالی شان محل بناکر دربار شہنشاہی کیا تھا۔ جس میں تمام ہندوستان کے راجہ مہاراجہ ان کے آگے آکر جھکے تھے۔

اسی جگہ ہندوؤں کی مشہور اوتار سری کرشن جی مدتوں رہے ہیں مگر سدا نام رہے

اللہ کا۔ دیکھ لو۔ سب کچھ فنا ہو گیا، اور ٹوٹی پھوٹی دیواریں کھڑی آنسو بہا رہی ہیں۔

مقبرۂ ہمایوں

پرانے قلعہ سے ایک میل آگے بڑھکر سڑک کے مشرقی رُخ ہمایوں کا مقبرہ نظر آتا ہے، اس مقبرہ میں جانے سے پہلے دائیں ہاتھ کو ایک اور مقبرہ ہے اور مسجد ہے۔ اس کے اندر عیسےٰ خاں کی قبر ہے، عیسیٰ خاں شیر شاہ بادشاہ کا ایک حاجب (مقرب امیر) تھا۔ ہمایوں کو جب شیر شاہ سے شکست ہوئی اور وہ ایران بھاگا تو اُسکا سپہ سالار بیرم خاں شیر شاہ کے لشکر کے ہاتھوں میں اسیر ہو گیا تھا، اسی عیسےٰ خاں حاجب نے اپنی سفارش سے بیرم خاں کو رہائی دلوائی تھی، خدا کی شان، جب ہمایوں ایران سے پلٹ کر ہندوستان آیا اور دوبارہ اس ملک پر فتحیاب ہو کر قابض ہوا تو شیر شاہ اور اُسکا بیٹا سلیم شاہ تو مر چکا تھا، مگر عیسےٰ خاں زندہ تھا، اور دیکھ رہا تھا کہ سلطنت سب بیرم کے ہاتھ میں ہے، جس کی جان میں نے بچائی تھی، لیکن غیرت و شرافت کی آن ایسی تھی کہ بیرم خاں کے پاس نہ آیا اور اس کی خود مختار جہانداری سے اپنی پریشانی کے ایام کو کچھ فائدہ نہ پہنچایا۔ بیرم خاں نے بہت چاہا کہ عیسےٰ خاں میرے پاس آئے اور میں اُس کے احسان کا عوض کر دوں، مگر یہ غیرت و حمیّت کا پُتلا اپنی جگہ سے نہ سرکا۔

یہ اُسی غیور اور بات کے پورے امیر عیسےٰ خان کا گورخانہ ہے۔ پہلے گنواروں نے اس مسجد اور مقبرے میں گھر بنا لیئے تھے۔ اب لارڈ کرزن نے اس کو صاف کرا کر مرمت کرائی ہے۔

عیسےٰ خاں کے مقبرے کے سامنے جو میدان ہے جسپر گول سڑک بنا لی گئی ہے اور آس پاس فصیل نظر آتی ہے، یہ دائی حلیمہ کا باغ تھا حلیمہ ہمایوں کی دایہ تھی،

اس باغ میں بھی دہقانی کاشتکار آباد تھے، لارڈ کرزن نے ان کو اُٹھا کر پارک بنا دیا۔

گول سڑک ختم کرکے ہمایوں کے مقبرے کی طرف جاؤ تو ایک دروازہ میں سے گزرو گے، یہ دروازہ بی حلیمہ کے باغ کا دروازہ ہے۔ جب دروازہ سے نیچے قدم رکھو گے تو سامنے تم کو مقبرۂ ہمایوں نظر آئے گا۔ اور اپنے دائیں جانب ایک اور بلند دروازہ دیکھو گے، یہ عرب سرائے کا دروازہ ہے۔ عرب سرائے بھی ہمایوں کی بیوی نے بنوائی تھی، اور مقبرۂ ہمایوں کے ساتھ اسکی تعمیر بھی ہوئی تھی، اس میں عرب لوگ آباد تھے، اور یہ وہ عرب تھے، جن کو ہمایوں کی قبر پر قرآن شریف پڑھنے کو بادشاہ بیگم نے مکۂ معظمہ سے بُلایا تھا، اور ان ہی کے رہنے کے لیے یہ سرائے بنوائی تھی،

اب اس سرائے میں ہندو زیادہ آباد ہیں، عربوں کی اولاد ختم ہوگئی۔ صرف ایک گھرانہ باقی ہے جو پہلے شملہ پر آباد تھا، اور مولوی سید عبداللہ صاحب اس خاندان کے بزرگ تھے اور اب دہلی کوچۂ پنڈت میں یہ لوگ رہتے ہیں۔

مولوی سید احمد صاحب مرحوم مولف فرہنگ آصفیہ اسی عرب سرائے کے باشندے تھے، نئی دہلی کے رقبہ میں عرب سرائے بھی آگئی ہے اور اس کے اندر جس قدر مکانات ہیں اُن کا معاوضہ مالکوں کو مل گیا ہے۔ چند روز میں انکو اُٹھا دیا جائیگا اور اس سرائے میں سرکاری عمارتیں بن جائیں گی۔

عرب سرائے کے دروازہ سے آگے بڑھو اور ہمایوں کی طرف جاؤ تو دائیں ہاتھ کو ایک اور مقبرہ اور مسجد عرب سرائے کی فصیل کے اندر نظر آئے گی، یہ مقبرہ بھی ہمایوں کے کسی امیر کا ہے۔

بائیں جانب ذرا فاصلہ پر دیکھو گے تو ایک چار دیواری سی دکھائی دیگی

یہ مزار ہے حضرت شمس الدین اوتا داللہ صاحبؒ کا، جو سہروریہ خاندان کے بزرگ تھے اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوبؒ الٰہی کا اور ان کا زمانہ ایک تھا لکھا ہے، حضرت شمس الدین مجذوب صفت تھے، اکثر برہنہ رہتے تھے لیکن جب حضرت محبوبؒ الٰہی کو سامنے سے آتا دیکھتے تو جلدی سے کپڑا اوڑھ لیتے اور کہتے بابا یہ مرد ہے۔ اس سے شرم کرنی چاہیئے۔

آجکل عوام ان کو شمس تاؤلے کہتے ہیں، اور یہاں منّت مُرادیں مانتے ہیں۔ جمعہ کے دن اس مزار پر بہت لوگ دعا کرنے آتے ہیں اور اُن کا عقیدہ ہے، کہ شمس تاؤلے تاولی (جلدی) مراد دیتے ہیں، (مگر مُراد پوری کرنے والا تو خدا ہی اُس کے سوا کسی میں یہ طاقت نہیں)۔

ہُمایوں کے مقبرے کے پاس جاکر زینہ پر چڑھنے سے پہلے تم کو بہت سی کوٹھریاں نظر آئیں گی، جن کے اندر قبریں ہیں، اور نہایت عبرت اور خاموشی کا عالم ہے۔ پہلے تم ذرا ان حجروں کے دروازوں پر کھڑے ہو کر اندر کی قبروں کا تماشہ دیکھ لو اس کے بعد اوپر جانا، یہ حجرے تہہ خانوں کے دروازے ہیں۔ ہمایوں بادشاہ تہہ خانہ کے اندر دفن ہے اور اُس کے اوپر یہ مقبرہ بنایا گیا ہے، مگر جہاں تم کھڑے ہو اور سامنے چُپ چاپ قبروں کو دیکھ رہے ہو، یہ قبریں بھی معمولی لوگوں کی نہیں ہیں ان میں ہندوستان کے بعض شہنشاہ سوتے ہیں، بعض امراء وزراء بیخبر پڑے ہیں۔

اگرچہ ہمایوں کے مقبرے میں چاروں طرف قبریں ہیں، مگر اس غربی پہلو میں جو قبریں ہیں یہ عموماً دہلی کے اُن بادشاہوں کی ہیں جو چند روز حکومت کر کے مرگئے یا قتل کر دیئے گئے یا معزول ہو گئے۔

جس زمانہ میں تختِ دہلی پر سادات بارہہ عبداللہ خان اور حسین علی خاں کا اقتدار سب سے بڑھا ہوا تھا اُسوقت بہت سے بادشاہ زیر و زبر ہوئے ہیں، یہ اُنہی بادشاہوں

کی قبریں ہیں، جن میں رفیع الشان - رفیع القدر اور بعض روایتوں کی بموجب فرخ سیر ابراہیم میرزا ہیں - جو چند روزہ سلطنت ہند کے مالک کہلائے تھے۔

دارا کی قبر

ان ہی افسردہ و خاک آلودہ قبروں میں شاہجہاں بادشاہ کے لاڈلے مشہور صوفی شہزادہ دارا شکوہ کی قبر بھی ہے، مگر اورنگ زیب عالمگیر نے ملکی مصلحت سے اس قبر کا پتہ مخفی کرا دیا تھا، یہ تو سب کو معلوم ہے کہ انہی دس پانچ قبروں میں اُس کی قبر بھی ہے اور اُس کے مقتول بیٹے کا مزار بھی ہے، مگر یہ کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کون سی قبر ہے۔

زینہ پر چڑھکر اوپر جاؤ گے تو تم کو بائیں جانب صحن فرش میں سنگ مرمر کے چبوترے اور چند قبریں نظر آئیں گی۔ یہ اُن قبروں کے بالائی نشان ہیں، جنکو ابھی نیچے دیکھکر آئے ہو، بس یوں سمجھ لو کہ جس قدر بادشاہ تھے اُن کی قبروں کے نشان تو اوپر بنا دیے اور باقی امیر و زیر کی مقابر کا نشان اوپر نہ بنایا۔

ان قبروں کو دیکھکر اپنے دائیں ہاتھ کو مُڑ جاؤ۔ کیونکہ ہمایوں کی قبر کے پاس جانے کا راستہ جنوبی رُخ سے ہے، جب تم جنوب کی طرف رُخ کروگے، تو دور جنگل میں ایک نُچا کُھچا اُجاڑ سا مقبرہ نظر آئے گا۔ یہ عبدالرحیم خاں خاناں کا مقبرہ ہے، دیکھو کیسی عبرتناک حالت ہے، یہ وہ نازک مزاج خانخاناں ہے جس کی نزاکت جسم اور لطافت خیال کی دھوم تھی، اور جو اکبر بادشاہ کے نورتن کا ایک رکن تھا، اور جس کے باپ بیرم خاں کی ہمت و کوشش سے ہندوستان دوبارہ مُغلوں کے ہاتھ آیا تھا۔ آج بیچارے کے مقبرے کی یہ حالت ہے۔

یہ مقبرہ بہت خوبصورت بنا ہوا تھا۔ سنگِ مرمر اور سنگ سُرخ کی تعمیر تھی

مگر مرہٹہ گردی اور جاٹ گردی کے زمانہ میں اس کے پتھر بھرت پور والے اُکھاڑ کر لے گئے اور سُنا ہے کہ وہاں اُنہوں نے ان سے کوئی عمارت بنوائی۔

ہمایوں کی قبر کے پاس چلو، اور اندر سے بُرج کی حالت دیکھو، یہ عمارت ہندوستان میں مغلئی فن تعمیر کا ابتدائی نمونہ ہے۔ اس میں ہندو طرز عمارت کی شان کم ہے، اور نہ پٹھانوں کی عمارات کی طرح بالکل بھدّی ہے، نہ شاہجہاں کی تعمیرات کی سی نزاکت اور سُبکائی ہے، دونسلوں کے بعد شاہجہاں نے آگرہ میں جو ممتاز محل کا مقبرہ بنوایا وہ مغل تعمیر کا انتہائی کمال ہے۔ مگر یہ مقبرہ بھی کچھ کم نہیں ہے، اس کے بُرج کی ساخت کو دیکھو تو فن تعمیر کا جوہر معلوم ہوگا۔

غدر ۱۸۵۷ء میں بہادر شاہ آخری بادشاہ دہلی اور ان کے بال بچّے اس جگہ جہاں تم کھڑے ہو، ہمایوں کی قبر کے پاس بیٹھے تھے۔ بہادر شاہ کی مسند قبر کے برابر بچھی ہوئی تھی اور وہ تعویذ قبر سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے کہ میجر ہڈسن نے آکر ان کو گرفتار کرلیا۔

قبر کے پاس سے واپس آؤ گے تو دروازہ کے دونوں پہلوؤں میں چند قبریں نظر آئیں گی، انہی قبروں میں ہمایوں کی بیوی حاجی بیگم کا مزار بھی ہے اور باقی قبور بھی ہمایوں اور اُن کی بیوی کے قرابت داروں کی ہیں۔

یہیں سے اوپر جانے کے دو زینے ہیں، اوپر ایسے چکّر دار کمرے بنائے ہیں کہ عوام ان کو بھول بھلیّاں کہتے ہیں، جاؤ جاکر دیکھ لو۔ اوپر سے آس پاس کے کھنڈرات نظر آئیں گے اور دل پر پُرانی دہلی کی عظمت کا اثر ہوگا۔

مغرب میں مقبرہ صفدر جنگ وغیرہ عمارات نظر آتی ہیں۔ مشرق میں جمنا دریا ہے۔ شمال میں دہلی اور پُرانا قلعہ نظر آتا ہے۔ جنوب میں مقبرہ خان خاناں اور کیلو کھڑی کے کھنڈر معلوم دیتے ہیں۔

کیلوکھڑی یہاں سے ایک میل ہے، اور یہاں غلام بادشاہوں میں آخری بادشاہ معزّالدین کیقباد نے ایک قصر بنایا تھا، اور چھوٹی سی دہلی کی بنیاد رکھی تھی مگر یہ بیچارہ جلال الدین خلجی کے ہاتھوں تمام ہوا، اور غلام خاندان سے سلطنت نکلکر خلجیوں میں آگئی، پھر اس کے بعد کیلوکھڑی کو آباد ہونا میسّر نہ ہوا۔

کیلوکھڑی میں حضرت سیّد محمود بجارؒ صاحب کا مزار ہے، جو حضرت محبوب الٰہیؒ کے ہمعصر تھے، اور اسی کے پاس سکھوں کا ایک گُرودوارہ ہے، درگاہ میں سالانہ عرس صفر کی ۲۶ کو ہوا کرتا ہے، اور گُرودوارہ میں ہمیشہ سکھوں کی منڈلیاں آتی رہتی ہیں۔

مقبرہ ہمایوں کی چھت پر دیکھو، مشرق میں جمنا دریا ہے، اور مقبرہ کی بیرونی چار دیواری کے گوشۂ شمال و مشرق پر ایک کالی سی عمارت نظر آتی ہے، یہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رضؒ محبوب الٰہی کے رہنے کا مکان ہے۔ پہلے آپ اسی میں رہتے تھے، اور جہاں آجکل مزار ہے شام کے وقت سیر کرنے آیا کرتے تھے، مُریدوں نے اس سیرگاہ میں عمارتیں بنادیں اور وصال کے بعد انہی عمارات کے وسطی تالاب میں آپ کو دفن کر دیا گیا۔

اس خانقاہ کا ایک حصّہ جہاں حضرت محبوب الٰہیؒ کا کتب خانہ تھا اور جہاں آپ نے وفات پائی اور غسلِ میّت دیا گیا تھا، محفوظ ہے، اور درگاہ والوں کا اُسپر قبضہ ہے، اور باقی تمام عمارات خانقاہ کی جسمیں مجلس خانہ اور جماعت خانہ اور بالاخانہ خوابگاہ شامل ہے سرکاری قبضہ میں ہے، اور آجکل اس میں بیل باندھے جاتے ہیں، کوشش ہو رہی ہے، اُمید ہے کہ یہ حصّہ بھی مسلمانوں کو واپس ملجائیگا[1]

اب چلو مقبرہ سے نیچے اُترو اور باہر کے حوضوں کو دیکھو جہاں چمن لگا ہوا ہے یہ حوض ابھی برآمد ہوئے ہیں، پہلے یہ مٹی میں پوشیدہ تھے، لارڈ کرزن کے زمانہ

[1] ۱۹۲۶ء میں یہ عمارت حسن نظامی کے حوالہ کر دی گئی ۱۲

میں راقم الحروف نے گورنمنٹ کو آگاہ کیا تھا کہ یہاں حوض اور چمن بند تختے پوشیدہ ہیں، اور اُن کا ذکر کتابوں میں لکھا ہے۔ سرکار نے مٹی صاف کرائی تو حوض نکل آئے اور اُن کی مرمت کی گئی۔ اب دیکھو ان سے مقبرہ کی کیسی اچھی زیبائش ہوگئی ہے۔

مقبرہ کے جنوب و شرقی گوشہ میں دو گنبد نظر آتے ہیں، ایک پر نیلی چینی کا کام ہے، ایک سُرخ پتھر کا ہے، اور ان دونوں کے اندر قبریں ہیں۔ عوام میں مشہور ہے کہ یہ ہمایوں کے حجام اور منہیار کی مقابر ہیں، مگر اصل حقیقت کسی کتاب میں دستیاب نہیں ہوتی۔

مقبرہ کی سیر کرلی، اب چلو درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رض میں چلو۔

سلطان جی صاحب کی درگاہ

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رض کی درگاہ کو عام لوگ سلطانجی کہتے ہیں اور نظام الدین کہکر پکارتے ہیں۔ ریلوے اسٹیشن کا نام بھی نظام الدین ہی رکھا گیا ہے۔

جب تمہاری گاڑی درگاہ کے دروازہ پر پہنچیگی تو ایک سفید دروازہ نظر آئے گا، جس پر لکھا ہے ع:-

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

یعنی بادشاہوں سے کچھ عجب نہیں ہے اگر وہ گداؤں کو اپنی نوازش سے سرفراز کردیں۔

دروازہ کے اندر داخل ہوتے ہی جوتیاں اُتار دو، وہاں ایک آدمی بیٹھا ہوگا وہ تمہاری جوتیوں کی حفاظت کرے گا۔

باؤلی:- یہاں تم کو ایک بڑی باؤلی دکھائی دیگی، اس کو بنے ہوئے چھ سو برس گزر گئے، یہ خود حضرت سلطان جی صاحب نے بنوائی تھی، عام لوگوں میں مشہور ہے کہ اسکا پانی تیل کی طرح روشن ہوا ہے، کیونکہ یہ باؤلی رات کو بنتی تھی، اور بادشاہ تغلق نے عداوت سے تیل کی بندش کر دی تھی کہ سلطان جی صاحب کو کوئی شخص تیل نہ دے، جب تیل نہ ہوگا تو باؤلی رات کو کیونکر بنے گی؟ اسپر حضرت سلطان جی صاحب نے باؤلی کا پانی تیل کی طرح جلانا شروع کر دیا اور اسی روشنی میں باؤلی تیار ہوئی۔

ممکن ہے یہ روایت خوش عقیدہ لوگوں نے تصنیف کی ہو، مگر اس میں شبہ نہیں ہے کہ غیاث الدین تغلق بادشاہ جسکے عہد میں یہ باؤلی بنی ہے سلطان جی صاحب سے اسکو سیاسی بناء پر عداوت ضرور تھی، تاریخوں میں اسکا مفصل حال لکھا ہے۔

اس باؤلی کے پانی کی یہ تاثیر ہزاروں آدمی روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ کھال کے بیمار اس میں نہانے سے اچھے ہو جاتے ہیں، یعنی جن کو کھجلی یا فسادِ خون کی شکایت ہو وہ اس میں غسل کرتے ہیں تو اُن کا مرض جاتا رہتا ہے جن عورتوں کے اولاد نہیں ہوتی، وہ بھی اس میں غسل کرتی ہیں اور خدا ان کو اولاد دیتا ہے۔

سردی کے موسم میں اس باؤلی کا پانی جوش کھا کر سفید ہو جاتا ہے، اور اس میں سے گندھک کی بو آنے لگتی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں گندھک کا کچھ اثر ہے، اور یہی وجہ جلدی بیماریوں کے دور ہو جانے کی ہے۔ جوش کے زمانہ میں اس پانی کے اندر کوئی چاندی کی چیز ڈالی جائے تو اُسکا رنگ زرد ہو جاتا ہے، اور کئی گھنٹہ زرد رہتا ہے، اس راز کو شاید کیمیاگر لوگ مجھ سے زیادہ سمجھتے ہونگے۔

اس باؤلی میں آس پاس کے بُرجوں اور دیواروں کے اوپر سے لڑکے کودتے ہیں، انگریز اس سیر کو بہت پسند کرتے ہیں، باؤلی میں تیرہ گز کے قریب پانی ہے، اور اندر سے اس کا نقشہ نہایت خوبصورت ہے۔ "چشمۂ دلکشا" اس باؤلی کا نام ہے۔

ایک خصوصیت اس باؤلی کی یہ ہے کہ یہ خوفناک نہیں ہے، ورنہ باولیاں عموماً سب ایسی ہوتی ہیں کہ رات کو ان کے اندر جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ مگر اس باؤلی میں رات کے وقت بھی کچھ خوف نہیں معلوم ہوتا۔

باؤلی کی سیر کرکے اندر درگاہ میں چلیئے۔ ایک چھتہ کے اندر سے جانا ہوگا۔ یہ چھتہ فیروز شاہ تغلق نے بنوایا تھا۔ تاریخ کا پتھر چھتہ کے آخری دروازہ پر جہاں یہ چھتہ ختم ہوتا ہے لگا ہوا ہے۔ جب آپ چھتہ کے کٹہرے کے قریب پہنچینگے تو مغربی رُخ اوپر کی جانب ایک سفید گنبد چھوٹا سا دکھائی دیگا۔ اس گنبد کی وضع چھپر کھٹ کی سی ہے۔ خراب سنگِ مرمر کا بُرج ہے، اس کے اندر ایک عورت کو کلا دئی کی قبر ہے قبر پر اسکا نام تحریر ہے اور تعویذ قبر پر ۹۹ نام خدا تعالےٰ کے ایسے خوشخط لکھے ہوئے ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ مشہور ہے کہ کوکلا بائی محمد شاہ بادشاہ دہلی کی کوئی حرم تھی۔

درگاہ کے اندر

داخل ہوتے ہی دائیں جانب لال پتھر کی ایک عالی شان مسجد ہے۔ پہلے اس کا ایک گنبد جو درمیان میں ہے بنایا گیا تھا اور اس کو سلطان علاؤالدین خلجی نے بنایا تھا اور مقصد یہ تھا کہ حضرت سلطان جی صاحب کو اس بُرج میں دفن کیا جائے، مگر حضرتؒ کو جب اس خیال کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا "میں پتھروں کے بُرج میں دفن ہونا پسند نہیں کرتا۔ مجکو آسمان کے بُرج کے نیچے دفن کرنا" یہ سُنکر بادشاہ علاؤالدین کے

لڑکے خضر خاں نے جو حضرت کا مرید تھا گنبد کے آس پاس دو گنبد اور بنا دیے اور اسکو مسجد قرار دے دیا۔ اس مسجد کے سامنے تالاب تھا، جب حضرت سلطان جی صاحب کی وفات ہوئی تو اس تالاب کو مٹی سے بھر کر آپ کو اُس میں دفن کیا گیا اور تین سو برس تک یہ مزار بغیر سایہ کے رہا۔ اکبر کے زمانہ میں اسپر یہ گنبد بنایا گیا جو آجکل موجود ہے

اس مسجد کے گنبد میں ایک بڑی صفت یہ ہے کہ یہ اکہرا ہے اور عام گنبدوں کی طرح اس کے اندر کوئی درمیانی ڈاٹ نہیں ہے، اور اس پر مضبوطی کا یہ حال ہے کہ ساڑھے چھ سو برس سے کھڑا ہے اور آجتک مرمت کی بھی حاجت اسکو نہیں ہوئی۔

اس مسجد کے درمیانی بُرج میں ایک کٹورا لٹکا ہوا ہے جس کو سونے کا کٹورا کہتے ہیں اور بدامنی کے زمانہ میں اس کٹورہ پر بندوقیں چلائی گئی تھیں جن کے سوراخ اس میں ہیں۔

اس مسجد کی پیشانی پر حضرت سلطان جی صاحب کی تاریخ وفات کندہ ہے جو یہ ہے: ؎

نظامِ دو گیتی شہِ ماؤ طیں
سراجِ دو عالم شدہ بالیقیں
چو تاریخِ فوتش بجستم ز غیب
ندا داد ہاتف شہنشاہِ دیں ۷۲۵

روضۂ شریف کے آس پاس سنگ مرمر کے ستونوں کی ایک بست دری بنی ہوئی ہے جس کو نواب خلیل اللہ خاں بنگش نے بنوایا تھا۔ اس کی چھت تانبہ کی ہے جس پر طلائی اور لاجوردی کام کیا ہوا ہے، یہ سُنہری کام خراب ہو گیا تھا تو مسٹر آر کلارک صاحب کمشنر دہلی نے جیب خاص سے دوبارہ اس کو بنوا دیا۔

روضہ شریف کے کواڑ چاندی کے ہیں اور مزار شریف سنگ مرمر کا ہے جو ہمیشہ

غلاف کے اندر چھپا رہتا ہے مزار کے اوپر لکڑی کا ایک چھپر کھٹ ہے جس پر سیپ کی پچی کاری ہے، یہ کام اس قدر باریک اور نفیس ہے کہ یورپ والے اس کی خوبصورتی اور نزاکت کو دیکھکر حیران ہو جاتے ہیں۔ سیپ کے ترشے ہوئے حروف سے اشعار لکھے ہیں اور "قبلہٴ شیخ" تاریخ نکالی ہے۔ یہ حروف بھی نہایت خوشخط ہیں اور سیپ کے تراشنے میں خوشخطی کا قائم رکھنا کمال ہے۔

یہ کام مرتضٰے خاں شیخ فرید نے بنوایا تھا جو جہانگیر بادشاہ کے امیر خاص اور حضرت شیخ سلیم چشتی رح کی اولاد میں تھے، اور جنکا مزار چراغ دہلی کے پاس ایک ویران کھنڈر میں اب بھی موجود ہے اور اُسپر لوح لگی ہوئی ہے۔

روضۂ شریف کے غربی جنوبی گوشے میں ایک کتبہ عزیز الدین عالمگیر ثانی بادشاہ کا قدیمی اُردو زبان میں لگا ہوا ہے، اس بادشاہ نے تخت ملنے کی یہاں حاضر ہو کر مدتوں دعائیں مانگی تھیں، جب اس کو تخت مل گیا تو اس کی یادگار میں اُس نے یہ کتبہ لگا دیا۔

اس کتبہ کو ضرور دیکھنا چاہیئے جو بہت پُرانی اور قدیمی اُردو کا نمونہ ہے اور جو اس کو ثابت کرتا ہے کہ اگلے بادشاہ بھی اُردو کے حامی تھے، جنہوں نے باوجود فارسی کے عام رواج کے اس متبرک اور مقدس موقع پر اُردو میں کتبہ لگایا۔ کتبہ کی عبارت یہ ہے :-

جو ہووے خادم نظام الدین کا دل سیں اے غریب
اُس کے تئیں ہوتا ہے تاجِ خسروی جگ میں نصیب
خادمی کی تھی عزیز الدیں نے بالصدق الیقیں
تاج شاہی ہند کا مجھ کو دیا ہے عنقریب
مرض دل افگار میرے کا وہ صحت بخش ہے

بے غذا و بے دعا و بے دوا و بے طبیب
بس پریشاں حال ہے اب خلق پر محبوب حق
فضل کر تقصیر واروں پر تم ہو حق کے حبیب

مزار شریف کے سرہانے ایک قلمی قرآن شریف رکھا ہے جس کی نسبت روایت ہے کہ اورنگ زیب بادشاہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

حضرت سلطان جی صاحبؒ

یہ مزار حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رضؒ کا ہے جنکا وصال ۷۲۵ھ میں ہوا، اور جنہوں نے اپنے زندگی میں سات بادشاہ دہلی کے تخت پر دیکھے، ایک غیاث الدین بلبن۔ دوسرا معزالدین کیقباد۔ تیسرا جلال الدین خلجی۔ چوتھا علاؤالدین خلجی۔ پانچواں قطب الدین خلجی۔ چھٹا خسرو خاں۔ ساتواں غیاث الدین تغلق۔

ان کی پیدائش بدایوں شریف کی ہے، اور ان کے والدین لاہور میں پیدا ہوئے تھے، ان کے اجداد بخارا سے آئے تھے، بزمانہ فتنۂ چنگیز خاں۔ ان کی قوم سید تھی، اور یہ ہندوستان کے اُن بڑے بڑے بزرگوں میں ایک تھے جنہوں نے لاکھوں آدمیوں کو مسلمان کیا، اور تصوف کی بنیاد ہندوستان میں رکھی، یہ خلیفہ تھے حضرت بابا شیخ فریدالدین گنج شکر رضؒ کے، اور وہ خلیفہ تھے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضؒ کے اور وہ خلیفہ تھے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضؒ نائب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے)

ان ہی سے چشتیوں کی ایک شاخ نظامیہ خاندان کے نام سے جاری ہوئی ہے یہی وہ بزرگ ہیں جن کے خاندان کی سارے ہندوستان میں جگہ جگہ خانقاہیں ہیں یہاں تک کہ ملک چین میں بھی ڈیڑھ سو خانقاہیں سلسلۂ نظامیہ کی ہیں۔

انہوں نے شادی نہیں کی تھی، ان کی درگاہ میں جس قدر لوگ رہتے ہیں وہ سب ان کی بہن کی اولاد سے ہیں۔

روضہ کے باہر نکلکر غربی جنوبی گوشہ کی جانب جاؤ، وہاں تم کو سنگ مرمر کی جالیوں کا ایک مجمر نظر آئے گا، اس کے اندر جہاں آرا بیگم کی قبر ہے جو شاہجہاں بادشاہ کی بیٹی تھی، یہ بھی خاندان چشتیہ نظامیہ کی مرید تھی، اور اس نے اپنی اس قبر کی عوض تین کرور روپئے کی مالیت درگاہ میں چڑھانے کی وصیت کی تھی، جس میں سے ایک کرور حسب قاعدۂ وصیت عالمگیر نے یہاں دیا تھا۔

اس قبر کے سرہانے ایک لوح کھڑی ہے جس پر خود جہاں آرا کا کہا ہوا یہ شعر لکھا ہے ؎

بغیر سبزہ نپوشد کسے مزار مرا کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس ست

الفقیرۃ الفانیہ جہان آرا مرید خواجگان چشت بنت شاہجہاں بادشاہ غازی انار اللہ برہانہ

سنہ ۱۰۹۲ ہجری

جسکا ترجمہ یہ ہے کہ میری قبر پر سوائے سبزہ کے اور کچھ غلاف وغیرہ نہ ڈالا جائے کیونکہ غریبوں کی قبر پوش یہ ہری گھاس ہی ہوا کرتی ہے۔

یورپ والے خصوصاً یورپین عورتیں جب اس قبر کو دیکھتی ہیں اور اس شعر کا ترجمہ سنتی ہیں تو اُن کے دل پر بہت اثر ہوتا ہے، اور وہ کہتی ہیں کہ ایشیا کے بادشاہ بھی ایسا اعلیٰ خیال رکھتے تھے جو یورپ کے شعراء کو میسّر نہیں۔

جہاں آرا بیگم کی قبر وسط میں ہے آس پاس جو دو قبریں اور ہیں، یہ بعد کی ہیں۔

مقبرۂ محمد شاہ

جہان آرا کے مقبرہ کی برابر دوسرا مجمر محمد شاہ رنگیلے کا ہے جو دہلی کے مشہور

عیاش بادشاہ گزرے ہیں، اور جن کے عہد میں نادر شاہ نے دہلی میں قتل عام کیا تھا۔

محمد شاہ کو ایک خواب کی بنا پر جو شاہی ملنے سے پہلے دیکھا تھا یہ عقیدہ تھا کہ مجھ کو بادشاہی حضرت سلطان جی صاحب کی برکت سے ملی ہے، اس واسطے اُس نے پانچہزار روپے یومیہ خرچ درگاہ کا مقرر کر رکھا تھا، اور مرتے وقت بڑی کوشش اور آرزو سے یہ جگہ حضرت کے پائینتی قبر کے لیئے حاصل کی تھی، صحن درگاہ کا فرش سنگ مرمر کا اسی محمد شاہ نے بنوایا ہے۔

محمد شاہ کی قبر کے برابر اُس کی بیوی کی قبر ہے جو شیعہ تھی اور اُسپر شیعوں کا کلمہ لکھا ہوا ہے اور پائینتی اُس کے بال بچوں کی قبریں ہیں۔

مقبرہ میرزا جہانگیر

محمد شاہ کے مقبرہ کے سامنے پورب کی جانب میرزا جہانگیر کا مجرہ ہے۔ یہ بہادر شاہ آخری بادشاہ دہلی کے بھائی تھے، ان کے برابر ان کے دوسرے بھائی میرزا بابر کی قبر ہے۔

محمد شاہ اور میرزا جہانگیر کے مقبرے سنگ مرمر کے ہیں۔ ان کی جالیاں اور اوپر کی سنگین جھالریں ایسی خوشنما ہیں اور اُن پر اس قدر باریک اور نفیس کندہ کاری ہے کہ عقل تعجب کرتی ہے، دونوں مقبروں میں کواڑ بھی سنگ مرمر کے ہیں ہندوستان میں شاید اور کسی جگہ سنگ مرمر کے کواڑ اور پھر ایسے حسین اور خوبصورت نہ ہونگے

میرزا جہانگیر غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے مر گئے تھے اور یہ مقبرہ اُن کے باپ اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی نے بنوایا تھا۔ اس مقبرہ کے شرقی دروازہ سے باہر جاؤ تو وہاں تین قبریں سنگ مرمر کی اور ایک ذرا ٹیڑھی چونہ کی نظر آئے گی۔

یہ چونہ کی ٹیڑھی قبر خواجہ عبدالرحمٰن صاحب کی ہے، جو حضرت سلطان جی صاحب کے خادم خاص تھے۔ مشہور ہے کہ یہ قبر کئی بار سیدھی کی گئی، مگر پھر خود بخود کج ہوگئی

سنگِ مرمر کی بڑی قبر میرزا الٰہی بخش صاحب کی ہے جو خیر خواہ سرکار انگریزی تھے، اور بہادر شاہ بادشاہ کے سمدھی تھے، غدر ۱۸۵۷ء میں انہوں نے سرکار کے ساتھ بہت بڑی وفاداری کی تھی، اسکے صلہ میں ان کو پنشن ملتی تھی۔

باقی دونوں سنگ مرمر کی قبریں انہی میرزا الٰہی بخش کے دونوں لڑکوں کی ہیں ایک کا نام میرزا سلیمان شباہ تھا اور دوسرے کا نام میرزا ثریا جاہ۔

ان کو دیکھکر اُلٹے پھرو اور زینۂ مقبرۂ جہانگیر سے اُتر کر جنوب کی طرف مڑجاؤ وہاں حضرت امیر خسرو رح کا مزار ہے۔

حضرت امیر خسرو رح بڑے مشہور شاعر گزرے ہیں اور حضرت سلطان جی صاحب کے بہت خاص اور مقبول مُرید تھے، ان کے مزار کے سرہانے تاریخ کی لوح کندہ ہے جس میں "عدیم المثل" اور "طوطیِ شکر مقال" مادۂ تاریخ درج ہیں۔

حضرت امیر خسرو رح کے مزار سے ۲۵ گز کے باہر چبوترہ کے سوراخ میں حضرت مولانا ضیاء الدین برنی مشہور مورخ اور مصنف تاریخ فیروز شاہی کا مزار پوشیدہ ہے اور اس مزار کے سامنے کتب خانۂ عام حلقۃ المشائخ کا مکان ہے۔ یہ مکان حضرت سلطان جی صاحب کے زمانہ کا ہے اور حضرت اس میں تشریف رکھا کرتے تھے، سیر الاولیاء کتاب میں اسکا نام محراب بزرگ لکھا ہے۔ بہت شکستہ ہوگیا تھا اور راقم الحروف کے اجداد کی اس میں نشست تھی، اب میں نے اس کی از سرِ نو مرمت کرکے کتب خانہ قائم کردیا ہے۔ تاکہ بزرگوں کا نشان برقرار رہے اور اس متبرک مقام پر فیض علم لوگوں کو حاصل ہو۔

حجرۂ کتب خانہ کے شمال میں اور مزار حضرت امیر خسرو رح کے غرب میں حضرت

خواجہ اقبال صاحب کا مزار ہے، یہ حضرت سلطان جی صاحبؒ کے مقبول مُرید اور داروغۂ لنگر خانہ تھے، ہندوستان کے مقبول شاعر ڈاکٹر اقبال ان ہی کا ذکر اپنے اس قصیدہ میں کرتے ہیں جو انہوں نے حضرت سلطانؒ جی کی شان میں لکھا تھا:-

محوِ اظہارِ تمنائے دلِ ناکام ہوں
لاج رکھ لینا کہ میں اقبال کا ہمنام ہوں

حضرت امیر خسرو رحؒ کی درگاہ میں کھرنی کا ایک درخت ہے جو پانسو برس کی عمر کا ہے اور اب تک اس میں پھل آتے ہیں۔

حضرت امیر خسرو رحؒ کی درگاہ کے شرق میں ایک بڑا دروازہ ہے اس میں سے باہر چلو اور دیکھو کہ دائیں جانب ایک پُرانا مکان ہے جسکو لنگر خانہ کہتے ہیں، یہ حضرت سلطان جی صاحب کے سامنے کا لنگر خانہ ہے، جہاں مسافروں کو کھانا تقسیم ہوا کرتا تھا۔ جوتیاں منگالو، جن کو پہلے دروازہ پر چھوڑ دیا تھا اور چلکر چونسٹھ کھمبہ کی عمارت اور میرزا غالب کا مزار دیکھو۔

چونسٹھ کھمبہ

باہر نکلتے ہی دائیں طرف سنگ مرمر کی ایک شاندار عمارت نظر آئے گی اس کو چونسٹھ کھمبہ کہتے ہیں، کیونکہ اس میں سنگ مرمر کے ایک ڈال چونسٹھ ستون ہیں یہ سولہ کھُلے ہوئے درمیان ہیں، اور سولہ چاروں کونوں پر اور بتیس چاروں بغلوں میں، عوام میں مشہور ہے کہ یہ ستون شمار میں نہیں آتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کونوں اور بغلوں کے در ذرا پوشیدہ ہیں۔ اس میں میرزا عزیز کوکلتاش کی قبر ہے جو جلال الدین اکبر شاہ کے دودھ بھائی تھے، انہی کے کنبہ رشتہ کی اور قبریں بھی اس کے اندر ہیں۔

غالب کی قبر

یہ مکان دیکھکر باہر آؤ۔ دروازہ سے نکلکر دائیں جانب کے راستہ پر مڑجاؤ وہاں ایک چُپ چاپ ویران قبرستان ملیگا جس کے دروازہ پر جنگلہ کا کواڑ لگا ہوا ہے۔ اس کے اندر میرزا غالب مشہور شاعر ہندوستان کی قبر ہے، اور سرہانے یہ تاریخ کندہ ہے۔

رشکِ عرفی و فخرِ طالب مُرد
اسد اللہ خانِ غالب مرد
کل میں غم واندوہ میں باخاطرِ محزوں
تھا تربتِ اُستاد پہ بیٹھا ہوا غمناک
دیکھا جو مجھے فکر میں تاریخ کی مجروح
ہاتف نے کہا۔ گنج معانی ہے تہہ خاک
۱۲ ھ ۸۵

مقبرۂ غالب سے باہر نکلو گے تو سامنے لال رنگ کی ایک شکستہ عمارت نظر آئے گی۔ یہ جلال الدین خلجی کا کوشک لال ہے جس کو آجکل لال محل کہتے ہیں ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفرنامہ میں اس کی کیفیت لکھی ہے۔

اب پھر باولی کی جانب چلو۔ راستہ میں تم کو جگہ جگہ گہرے غار نما احاطے ملیں گے جن کے اندر قبریں ہیں۔ یہ سب حضرت سلطان جی صاحب کے نامور خلفا اور مریدین اور یار و اصحاب تھے اور ایسے صاحب کمال تھے کہ اور کہیں انکا مزار ہوتا تو بڑی بڑی درگاہیں ان کی بنائی جاتیں۔

اس مقام کو بڑا دربار یا یاران چبوترہ کہتے ہیں، دہلی کی ایک باخبر انجمن نے ان تمام مزارات پر نام کے کتبے لگا دیے ہیں، جس سے اس کتاب کے پڑھنے والوں کو ہر مزار کا حال معلوم ہو جائے گا اور وہ خود پڑھ لیں گے۔

مقبرہ اتکہ خاں

یہیں تم کو ایک اونچا خوبصورت سنگ مرمر کا گنبد نظر آئے گا۔ یہ شمس الدین اتکہ خاں کا مقبرہ ہے جو اکبر شاہ بادشاہ کا دودھ باپ تھا۔

لو سلطانجی صاحب کی زیارت ہو چکی اب چلو قطب صاحب کی درگاہ کو چلیں۔ گاڑی میں سوار ہو کر مغرب کی جانب سڑک پر جاؤ۔ پہلے نظام الدین اسٹیشن ملیگا، اسکے بعد آدھ میل جاکر سڑک کی دائیں جانب چند اونچے اونچے گنبد نظر آئیں گے، دور کا گنبد

مقبرہ سکندر لودھی

ہے، اور سڑک کے قریب کا برج سلطان خضر خاں کا گورخانہ ہے، جو خاندان سادات میں بادشاہِ ہندوستان ہوا ہے۔ ایک میل جانے کے بعد مقبرہ صفدر جنگ نظر آئے گا۔

مقبرہ صفدر جنگ

یہ مقبرہ ہمایوں اور تاج محل آگرہ کے مقابر کے نقشوں کے مابین بنایا گیا ہے، بہت خوبصورت ہے۔ اس میں نواب منصور علی خاں صفدر جنگ کی قبر ہے جو شاہان اودھ کے مورث تھے، اس مقبرہ کو دیکھکر قطب صاحب چلو۔ چند میل جاکر

دائیں طرف کچھ مٹا مٹا سا ایک گنبد نظر آئے گا۔ کیونکہ ذرا فاصلہ پر ہے۔ یہ فیروز شاہ تغلق بادشاہ کا مقبرہ ہے، جس کے پاس اسکا بنایا ہوا عظیم الشان حوض خاص کھا پڑا ہے، یہ حوض میلوں کے رقبہ میں تھا، اور اس کے کناروں پر عمارتیں بنی ہوئی تھیں، جن میں طالب علم رہتے تھے، کیونکہ یہاں ایک بہت بڑا دار العلوم قائم تھا اور یہ عمارتیں بورڈنگ ہوس کا کام دیتی تھیں، وہ عمارتیں اب بھی ہیں، اور گنواراں میں بھُس اور پولیاں بھرتے تھے۔ اب سرکار نے صفائی اور مرمت کرادی ہے،

شہر سیری

مقبرۂ صفدر جنگ سے تقریباً تین میل آگے جاکر سڑک کے کنارے مشرقی رُخ مسجدوں اور حویلیوں کے کچھ کھنڈر نظر آئیں گے، یہ علاء الدین خلجی بادشاہ کا بسایا ہوا شہر دہلی ہے، جس کا نام اُس نے سیری رکھا تھا اور یہیں اُسکا قلعہ علائی تھا، مگر اب سب کچھ مسمار ہوگیا۔ ٹوٹے پھوٹے کھنڈر نظر آتے ہیں۔

فوجی دیدبان

ان عمارتوں سے ذرا آگے مشرق میں ایک بہت اونچی عمارت دکھائی دیتی ہے، جس میں کچھ دروازے سے ہیں، اور قلعہ کا ایک بُرج سا معلوم ہوتا ہے، یہ فوجی دیدبان ہے۔ یہاں تغلق بادشاہ بیٹھا کرتا تھا اور سامنے کے میدان میں فوجی نمائش اس کو دکھائی جاتی تھی، اسی کے قریب ایک عالی شان مسجد ہے

مزار والدۂ حضرت محبوب الٰہی رض

صفدر جنگ سے چار میل آگے بڑھکر جہاں سے قطب صاحب صرف ایک میل رہ جاتا ہے سڑک کے پاس دائیں ہاتھ کو ایک سفید چار دیواری نظر آتی ہے یہاں

حضرت سلطان جی صاحبؒ کی والدہ حضرت بی بی زلیخاؒ اور ہمشیرہ صاحبہ حضرت بی بی جنتؒ کے مزارات ہیں، اور اسی درگاہ کے قریب دوسری درگاہ ہے جسمیں حضرت شیخ نجیب الدین متوکل برادر حقیقی حضرت بابا شیخ فریدالدین گنجشکرؒ اور حضرت فاطمہ دختر حضرت باباصاحب کے مزارات ہیں۔ ان سب پر نام کے کتبے لگے ہوئے ہیں جو ابھی لگائے گئے ہیں۔ اس درگاہ کو بی بی نور کی درگاہ کہتے ہیں۔

قطب مینار

بی بی نور سے روانہ ہوکر قطب مینار پر چلو جو تم کو میلوں دور سے نظر آتا تھا، گاڑی کو دروازہ پر چھوڑ کر اس راستہ سے چلو کہ مغرب کی طرف پشت اور مشرق کی جانب تمہارا چہرہ ہو، تاکہ میں عمارات کا پتہ سلسلہ وار بتاتا چلا جاؤں۔ قطب مینار کی طرف جاتے وقت دائیں ہاتھ کو ایک اونچا برج دکھائی دیگا جس کی چھت نہیں ہے، دیواریں اونچی اونچی قائم ہیں، جنکی مرمت ہوگئی ہے، یہ

علاؤالدین خلجی کا مقبرہ

ہے، پہلے بالکل اُجاڑ پڑا تھا، قبر کا نشان تک مٹ گیا تھا۔ اب سرکار انگریزی نے اس کی مرمت کرائی ہے، علاؤالدین خلجی کی قبر بڑے احاطہ میں ہے اور اسکے برابر غربی حصہ میں اس کے بیٹے یا بیوی کی قبر ہے، یہ دونوں قبریں بڑی چوڑی چکلی بنائی گئی ہیں۔ اس مقبرے کے سامنے شمال کی طرف دونوں رُخ حجرے تھے، جو غرب میں اب بھی موجود ہیں، ان میں مدرسہ تھا اور رات دن قرآن خوانی ہوتی تھی، اور بادشاہ کی روح کو ثواب پہنچایا جاتا تھا، ابن بطوطہ نے یہ رونق اپنی

آنکھوں سے دیکھکر لکھی ہے۔

لوہے کی لاٹھ

یہاں سے نکلکر قطب مینار کی طرف نہ جاؤ اپنے بائیں ہاتھ کو چلو، وہاں تم کو بڑی اونچی محرابیں مسجد کی ملیں گی، اور صحن مسجد میں لوہے کی ایک لاٹھ دکھائی دیگی، یہ لاٹھ ہندوؤں کے زمانہ کی ہے جسپر کچھ لکھا ہے اور اس کا ترجمہ الگ ایک دیوار پر کسی ہندو نے پتھروں پر کندہ کرا دیا ہے۔

مسجد قوۃ الاسلام

اصل میں رائے پتھورا کا یہ عظیم الشان مندر تھا جس کے وسط میں لوہے کی یہ لاٹھ لگی ہوئی تھی، سلطان قطب الدین ایبک نے دہلی فتح کی جو اس جگہ آباد تھی، تو اس مندر کو مسجد بنا دیا، اور یہ محرابیں قائم کیں۔ اور صحن کے آہنی مینار کو برقرار رکھا۔ اس مسجد کا نام قوۃ الاسلام رکھا گیا، اور مندر کے ایک حصہ کو بھی رہنے دیا جو اب بھی موجود ہے اور اس کے ستونوں پر ہندو کاریگری کے نمونے اور بُت نظر آتے ہیں، اس مسجد کے شرقی دروازے پر سلطان قطب الدین ایبک کا کتبہ لکھا ہوا ہے +

مسجد سے باہر آؤ تو قطب مینار کو دیکھو۔ اس کی نسبت بعض نادان جن کو تاریخی حالت معلوم نہیں ہے کہہ دیا کرتے ہیں کہ اس کو ہندوؤں نے بنایا تھا مگر یہ بالکل غلط اور جہل بیان ہے اصل میں یہ مینار مسجد قوۃ الاسلام کا حصہ ہے دوسرا مینار بھی بننا شروع ہوا تھا مگر بنتے بنتے رہ گیا مسلمانوں نے دِلّی کو بزورِ شمشیر فتح کیا تھا اور وہ اپنی فتح کی یادگار بہت شاندار اور بلند دکھانی چاہتے تھے

اس واسطے اُنہوں نے یہ بلند و بالا مینار بنایا تھا اور ویسی ہی بلند محرابوں کی مسجد بنانی شروع کی تھی، مگر افسوس خانگی جھگڑوں کے سبب اس کو پورا کرنے کا موقع میسّر نہ آیا۔ نہ دوسرا مینار تیار ہو سکا نہ مسجد پوری ہو سکی۔

قطب مینار تمہارے سامنے ہے، خود دیکھ لو۔ اور حال اسکا لکھنا فضول ہے

علاء الدّین دروازہ

قطب مینار کے جنوب میں ایک گنبد ہے جس کو علاؤ الدین دروازہ کہتے ہیں یہ دروازہ علاء الدین خلجی نے بنایا تھا، اور اس کے اندر سے دہلی شہر کے مسلمان مسجد میں آتے تھے۔ کیونکہ دہلی کی آبادی اُس وقت قطب مینار کے جنوب میں تھی اس دروازہ کی حضرت سلطان جی صاحب کی درگاہ سے بہت ملتی جُلتی عمارت ہے اس کے شرق میں حضرت امام ضامن صاحب کی درگاہ ہے، جو آخر زمانہ کے کوئی بزرگ تھے، مگر عوام انکو بارہ اماموں میں ایک امام تصوّر کرتے ہیں۔

قطب مینار کے اوپر چڑھکر دیکھو تو مشرق کی طرف سلطان غیاث الدین بلبن اور محمد خان شہید اور دیگر سلاطین دہلی کے شکستہ مقبرے گردنیں جھکائے خاموش کھڑے ہیں۔

مقبرہ التمش

لاٹھ سے اُتر کر لوہے کی لاٹھ کے پاس ہو کر شمال میں چلے جاؤ، وہاں ایک بے چھت کے گنبد میں بہت اونچی قبر سنگ مرمر کی ملے گی۔ یہ سلطان شمس الدین التمش کی قبر ہے۔ جس کے اوپر اور آس پاس مقبرہ میں کئی خطوں میں آیات قرآنی کندہ ہیں۔

اب ان تمام عمارات کی مرمت حفاظت اور زیبائش سرکار انگریزی کی جانب سے بہت عمدگی کے ساتھ ہوتی ہے۔ التمش کے مقبرے کے پاس گوشۂ شمال و مغرب میں تم کو اونچی فصیل کے آثار نظر آئیں گے۔ یہ لال کوٹ کی فصیل ہے، جو ہندوؤں کا مشہور قلعہ تھا، جس کو مسلمانوں نے فتح کیا، اور اسی کے قریب ہندوؤں کا آباد مندر جوگ مایا واقع ہے۔

مقبرۂ ادھم خاں

قطب مینار کی سیر ہو گئی، اب درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح کی طرف چلو جو یہاں سے ایک فرلانگ کے فاصلہ پر ہے۔ راستہ میں سڑک کے کنارے دائیں جانب ایک اونچا مقبرہ نظر آئے گا۔ یہ ادہم خاں کا مقبرہ ہے، جو ماہم انگہ اکبر شاہ کی مشہور دایہ کا لڑکا تھا، اور جس نے شمس الدین اتکہ کو بے گناہ مار ڈالا تھا، اور اکبر نے خود اس سے ہشت مشت کی تھی۔ اور پھر جس کو چھت کے اوپر سے نیچے پھینک کر مار ڈالا تھا۔

مزار حضرت قطب صاحب رح

سڑک سڑک جا کر بائیں ہاتھ کو مڑ جاؤ۔ درگاہ حضرت خواجہ قطب صاحب میں پہنچ جاؤ گے۔ اس درگاہ پر گنبد نہیں ہے، اور مزار بھی کچا ہے۔ مگر بہت چوڑا چکلا ہے۔ روضہ شریف کے پائیں اونچے چبوترہ پر حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری رح کا مزار مبارک ہے۔ اور باہر دروازۂ مشرقی کے پاس مولانا فخر الدین صاحب کا مرقد ہے۔ جو چشتیہ خاندان کے سو برس پہلے بڑے مشہور کامل و عالم بزرگ گزرے ہیں اور جن کے سبب سے سلسلۂ چشتیہ تمام ہندوستان میں از

[illegible]

[illegible]

سرِ نو گھر گھر پھیلا ہے۔ آگے بڑھکر مسجد اور ایک باؤلی نظر آتی ہے۔

اولیاء مسجد و شمسی تالاب

یہ زیارت کر چکے تو اب چلو اولیاء مسجد کی زیارت کرو۔ جنوب کی جانب سیدھی سڑک پر چلے جاؤ وہاں ایک تالاب نظر آئیگا، اس کے کنارہ اولیاء مسجد ہے۔

اولیاء مسجد بہت پرانی جگہ ہے، جہاں بڑے بڑے اولیاء اللہ نے نماز پڑھی ہے، اسی واسطے اس کو اولیاء مسجد کہتے ہیں، یہاں دو مصلّے سنگِ خارا کے لگے ہوئے ہیں، جن کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ ایک پر حضرت خواجۂ خواجگاں اجمیریؒ نے نماز پڑھی ہے اور ایک پر حضرت خواجہ قطب صاحبؒ نے۔

اس تالاب کا نام حوض شمسی ہے اس کو سلطان شمس الدین التمش نے بنایا تھا۔ اس حوض کے آس پاس تمام مشایخ عظام کی خانقاہیں بنی ہوئی تھیں، جن کے ٹوٹے پھوٹے کھنڈر اب بھی نظر آتے ہیں۔

جھرنہ

اولیاء مسجد کے مشرقی رُخ سڑک کے کنارے جھرنہ ہے یہ محمد شاہ بادشاہ دہلی کی عیاشیوں کا مقام ہے۔ شمسی تالاب سے جھرنہ میں پانی آتا تھا اور جھرنہ کے حوض میں گرتا تھا۔ اب بھی گرتا ہے۔ بادشاہ مع بیگمات کے یہاں عیش کرتے تھے۔

پھول والوں کی سیر

یہاں قطب صاحب میں بموسم برسات ایک میلہ ہوتا ہے جسکو پھول والوں کی سیر

کہتے ہیں۔ اس میں ہندو مسلمان دونوں شریک ہوتے ہیں، یہ بادشاہی میلہ ہے۔ محمد شاہ کے زمانہ سے سال بہ سال ہوتا آیا ہے۔

جنتر منتر

قطب صاحب کی زیارت کرکے دہلی کو اُلٹے جاؤ گے تو صفدر جنگ سے دوسری سڑک ملے گی، جس رستہ سے آئے تھے اُس پر اب جانا نہیں ہوگا، جب صفدر جنگ سے آگے جاؤ گے تو دو میل جاکر مشرقی رُخ ایک عمارت ملے گی جس کو جنتر منتر کہتے ہیں۔ یہ نجوم کی رصدگاہ ہے اور شاہی زمانہ سے قائم ہے۔

نئی دہلی

اسی جنتر منتر کے قریب سڑک کے آس پاس نئی عمارتیں بنتی نظر آئیں گی یہ نئی دہلی بن رہی ہے اور رات دن زور شور سے کام جاری ہے۔ گورنمنٹ ہوس (بادشاہی دفتر خانہ) بڑی شان و شوکت کا تیار ہوا ہے۔

پرانی دہلی کے شمال کا حال سُن لیا۔ اب گوشۂ جنوب و شرق کی ایک مشہور عمارت

تغلق آباد

کا بیان سُنو، سو مسافروں میں شاید دو چار ہی ایسے ہوتے ہوں گے جو وہاں جاتے ہوں، ورنہ سب بچارے انہی عمارتوں کو دیکھکر دل کو تسلی دے لیتے ہیں کہ ہم نے دہلی کی سیر کرلی۔

تغلق آباد دہلی شہر سے ذرا زیادہ دور ہے۔ درگاہ حضرت خواجہ قطب صاحبؒ

سے اسکا راستہ گیا ہے اور غالباً تین میل کے فاصلہ پر اس درگاہ سے یہ ہی تغلق آباد میں ایک تو مقبرہ ہے جس میں سلطان غیاث الدین تغلق اور محمد تغلق کی قبریں ہیں' اور ایک تغلق کا مشہور قلعہ ہے۔

فیروز شاہ تغلق نے اپنی کتاب فتوحات فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ میں نے محمد تغلق کی قبر کے سرہانے چند نہایت اہم کاغذات دفن کر دیے ہیں مگر اب تو وہ گل گئے ہوں گے۔

ٹوٹنے پھوٹنے کے بعد بھی اس قلعہ کی مستحکم و بلند فصیلوں کو دیکھکر بے اختیار منہ سے نکلتا ہے کہ اللہ اللہ کیا لوگ تھے جنہوں نے جنات کے سے کام کھڑے کر کے دکھا دیے اور خود خاک میں چلے گئے۔

تغلق آباد جانے میں اب بہت آسانی ہو گئی ہے۔ کیونکہ دہلی سے جو ریل آگرہ جاتی ہے اس لائن پر تغلق آباد نام کا ایک اسٹیشن کھل گیا ہے۔ شاید تین آنے کرایہ دہلی سے تغلق آباد کا ہے۔ دن کو گیارہ بجے ریل دہلی سے جاتی ہے اور تیسرے پہر سوا پانچ بجے واپس آتی ہے۔ اس عرصہ میں اس قلعہ اور مقبرہ کی خوب سیر ہو سکتی ہے، اسٹیشن سے شاید ایک میل کے فاصلہ پر قلعہ اور مقبرہ کی عمارات ہیں۔

[گائیڈ ۱۰۸]

مخدوم چراغ دہلی

درگاہ حضرت سلطان جی صاحبؒ سے ایک کچا راستہ کھنڈرات دہلی قدیم کو گیا ہے۔ تین میل آگے جا کر درگاہ حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلیؒ کی ملتی ہے۔

چراغ دہلی صاحب حضرت سلطان جیؒ صاحب کے خلیفہ اعظم اور جانشین تھے

بھتیجا مرتضیٰ خاں شیخ فرید امرادی (دیکھو صفحہ ۳۵)

یہ مزار اور خانقاہ کی عمارت سلطان فیروز شاہ تغلق کی بنا کردہ ہیں۔

بارہ ۱۲ کوس کی دہلی

پُرانی دہلی کے کھنڈر بارہ کوس میں بکھرے پڑے ہیں۔ کسکو فرصت ہے کہ ان مقامات کو سُنسان بیابانوں اور ویران کھنڈروں میں جا کر دیکھے اور معلوم کرے کہ یہاں ہندوؤں نے شہر بسائے تھے۔ یہاں مسلمان بادشاہوں نے اپنی سلطنت کے جھنڈے گاڑے تھے، یہاں خلجیوں کی نئی دہلی تعمیر ہوئی تھی۔ اس جگہ تغلق نے شہر بسایا تھا، اس مقام پر سادات بنی فاطمہ کے شہنشاہی علم اور پھریرے لہرائے تھے، یہاں لودھیوں کی تلواریں چمکتی تھیں گھوڑے دوڑتے تھے، یا یہ وہ مقام ہے جہاں امیر تیمور فوجوں کو لیکر چڑھا تھا۔

صاحب! یہاں تو بارہ بارہ کوس تک یہی عالم ہے۔ اس زمین کے تو چپّہ چپّہ پر رزم و بزم کی کہانیاں لکھی ہوئی ہیں، جو آج خواب و خیال ہو گئیں بابل و بغداد۔ روم و مصر۔ غرناطہ و قرطبہ کیا اپنی بیکسی کا نوحہ سُناتے ہیں دہلی کو دیکھو اُجڑتی ہے۔ بس جاتی ہے۔ بکھرتی ہے، پھر سمٹکر نمودار ہو جاتی ہے قدرت کے طمانچے لگتے ہیں تو گر پڑتی ہے، تقدیر کی دست درازیاں ہوتی ہیں، لوٹ کھسوٹ سے مِٹ جاتی ہے، لیکن چند روز میں پھر سانس لیتی ہے پھر زندہ ہو کر کھڑی ہوتی ہے، پھر پکارتی ہے :-

منم دہلی منم دہلی منم دہلی

بچاری کتابوں کے لکھے ہوئے حروف دہلی کے مرثیے پڑھتے ہیں اور یہ غم کے پاس بھی نہیں جاتی۔ جب دیکھو گے مُسکراتا پاؤ گے۔ نئے نئے ارمانوں

اور نئی نئی اُمنگوں کی مستی میں سرشار دیکھو گے۔
اس کے بُڑھاپے کی نخرہ بازیاں دیکھو۔ ذرا تصور کا میدان جماؤ۔ آسمان پر نظر اُٹھاؤ اور واہ تیری قدرت۔ واہ۔ تیری شان کہکر یہ کتاب بند کر دو۔

انجام

الحمدللہ اس کتاب کی طبع اوّل ختم ہوئی، اور اب کے ایک نئے ضمیمہ کے اضافہ کے ساتھ شائع کی جاتی ہے۔

حسن نظامی
۳۱۔ مارچ سنہ ۱۹۲۲ء

ضمیمہ در بیان لال قلعہ

مولوی ظفر حسن صاحب بی۔ اے افسر محکمۂ آثار قدیم دہلی نے ایک نہایت لاجواب کتاب حالات قلعہ میں شائع کی ہے اُس میں سے یہ اقتباس و انتخاب درج کیا جاتا ہے۔ حسن نظامی

لال قلعہ کب بنا

اس کی بنیاد ۱۲ ذی الحجہ ۱۰۴۸ھ مطابق ۱۶۳۸ء میں رکھی گئی۔ اس تاریخ کی خوابگاہ کے کتبہ سے بھی تصدیق ہوتی ہے۔ سرسید احمد خاں مصنف آثار الصنادید لکھتے ہیں کہ مجھے کاغذات کہنہ میں ایک زائچہ اس قلعہ کا دستیاب ہوا جسمیں تاریخ بنا یہ لکھی تھی "جمعہ کی رات کو ۵ ساعت اور ۱۲ دقیقہ گزرنے کے بعد نویں محرم ۱۰۴۹ھ کو اس کی بنیاد رکھی گئی" قلعۂ مذکور شاہجہاں کے بیسویں سنہ جلوس میں بنکر تیار ہوا جبکہ وہ کابل میں رونق افروز تھے۔

قلعہ کی گزشتہ شان

عمارات قلعہ کے صحنوں میں نفیس قالین بچھے تھے اور شاندار مخملی پردے لٹک رہے تھے، مقامات نشست پر سرخ رنگ کے دوشالے پڑے ہوئے تھے، گویا تمام عمارات رشکِ نگارخانۂ چین بنی ہوئی تھیں، دیوانِ عام کی چھت اور دیواریں مخمل اور چین وختن کے ریشمین تھانوں سے ڈھکی ہوئی تھیں

اور اُس کے سامنے ایک شاندار دل بادل کا شامیانہ نصب تھا جس کا طول ستّر گز اور عرض پینتالیس ۴۵ گز تھا اور جو خاص اس موقع کے واسطے احمد آباد کے شاہی کارخانہ میں ایک لاکھ روپیہ کی لاگت سے تیار ہوا تھا۔ اس شامیانہ کی چوبیں اور کٹہرا چاندی کا تھا اور اُس کو تین ہزار چابکدست فراشوں نے کھڑا کیا تھا دیوانِ عام کے چاروں طرف سونے کا کٹہرا تھا اور تختِ شاہی پر ایک اور شامیانہ لگا ہوا تھا جس میں موتیوں کی جھالر تھی اور جواہرات سے مرصع سونے کی چوبیں تھیں،

قلعہ کی پیمائش

یہ قلعہ ہشت پہل ہے، جس کے دو ضلعے جانب شرق و غرب طویل ہیں اور باقی چھ ضلعے جانب شمال و جنوب چھوٹے ہیں، اس کا محیط قریب ۱½ میل کے ہے اور یہ طول میں تین ہزار فٹ اور عرض میں اٹھارہ سو فٹ ہے دریا کی جانب کی دیواریں ساٹھ فٹ بلند ہیں، اور خشکی کی جانب اُن کی بلندی خندق سے پچھتّر ۷۵ فٹ ہے۔ خندق کی گہرائی تیس فٹ اور چوڑائی ۷۵ فٹ ہے برنیر کا بیان ہے کہ اس میں مچھلیاں کثرت سے تھیں، اور اُسی مصنّف کی رائے ہے کہ قلعہ کی دیواریں ایک معمولی توپ خانہ کا مقابلہ تھوڑی دیر بھی نہیں کرسکتیں خندق سے ملے ہوئے سرسبز و شاداب چمن تھے جو ان دیواروں کے محاذ میں ایک نہایت خوشنما منظر پیش کرتے تھے، یہ چمن غدر کے زمانہ تک باقی تھے لیکن اُجڑ چکے تھے، مشرق کی جانب قلعہ اور دریا کی درمیانی زمین پر برنیر بیان کرتا ہے کہ ہاتھیوں کی لڑائی اور شاہی فوج کی پریڈ ہوا کرتی تھی، اور وہاں ایک دفعہ خود اسپر ایک مست ہاتھی نے حملہ کیا تھا۔ منوچی اس بیان کی تصدیق کرتا ہے اور کہتا ہے کہ شاہی جھروکہ کے نیچے دن رات ایک مست ہاتھی

نمائش کے لیے کھڑا رہتا تھا۔

قلعے کے بنانے والے

علاوہ مکرمت خاں کے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے اور اشخاص جو قلعہ کی تعمیر سے تعلق رکھتے تھے وہ غیرت خاں دہلی کا صوبہ دار، عزت خاں سندھ کا صوبہ دار الہ وردی خاں اور اُستاد حامد و احمد تھے، یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ خود بادشاہ نے گاہ بگاہ نقشہ میں تغیر و تبدل کیا۔ سید احمد خاں اس بنا پر کہ آرفیس کی تصویر دیوان عام کی پچی کاری میں بنی ہوئی ہے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ کوئی اٹلی کا معمار بھی اس قلعہ کی تعمیر میں شریک تھا، لیکن غالباً بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اٹلی کے معماروں کا کام صرف سجاوٹ تک محدود تھا کیونکہ اُس کی عمارت کی ساخت وطرز و وضع قطعی ایشیائی ہے۔

قلعہ کی لاگت

مشہور ہے کہ اس قلعہ کی تعمیر میں ایک کروڑ روپیہ صرف ہوا تھا جسمیں سے نصف بیرونی دیواروں پر، اور نصف اندرونی عمارات پر لیکن بخت آور خاں جو اورنگ زیب کے زمانہ کا ایک مورخ ہے عمارات کی لاگت کی حسب ذیل تفصیل دیتا ہے

قلعہ اور اندرونی عمارات	۶۰ لاکھ روپئے
محلات شاہی	۲۸ لاکھ روپئے
شاہ محل یعنی دیوان خاص مع اُسکی چاندی کی چھت و آرائش کے	۱۴ لاکھ روپئے
امتیاز محل یعنی رنگ محل مع عمارات ملحقہ	۵ ½ لاکھ روپئے
دولت خانہ خاص و عام یعنی دیوان عام	۲ لاکھ روپئے

حیات بخش باغ مع حمام	۶ لاکھ روپئے
محلات بیگم صاحبہ (جہان آرا بیگم) و دیگر بیگمات	۷ لاکھ روپئے
بازار و سرکاری کارخانجات	۴ لاکھ روپئے
دیوار قلعہ و خندق	۲۱ لاکھ روپئے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مزدوروں و کاریگروں کی مزدوری میں ایک کروڑ روپیہ صرف ہوا تھا۔ سنگِ سُرخ و سنگ مرمر اُن مقامات کے صوبہ داروں اور راجاؤں نے مہیّا کیا تھا جہاں وہ پایا جاتا ہے، اور سنگِ سُرخ کی ایک بڑی مقدار فتحپور سیکری سے بذریعہ کشتیوں کے لائی گئی تھی۔

قلعہ کے مختلف نام

یہ قلعہ مختلف ناموں سے موسوم ہے۔ شاہجہاں و اورنگ زیب کے زمانہ میں اسکا نام "قلعۂ مبارک" یا قلعۂ شاہجہان آباد تھا، اور اس آخر الذکر نام سے ہی وہ اُس زمانہ کی تاریخوں میں مذکور ہے۔ بہادر شاہ ثانی کے زمانہ میں "قلعۂ معلّٰی" کہلاتا تھا، اور زمانۂ حال کے اُردو شعرا کی تصانیف میں اس نام سے یاد کیا گیا ہے اور اسی واسطے درباری زبان کو اُردوئے معلّٰے کہتے تھے۔

عمارات کے نقصانات بوجہ زلزلہ و محاصرات

کہتے ہیں کہ سنہ ۱۱۴۲ھ مطابق ۱۷۲۹ء میں عمارات شاہجہان آباد اور قلعہ کو زلزلہ سے جو ایک مہینے اور دو روز تک رہا بہت صدمہ پہنچا۔ مرہٹوں اور احمد شاہ درّانی کے درمیان جو لڑائیاں ہوئیں اُن میں بھی قلعہ کی عمارات نقصان سے نہ بچ سکیں آزاد بلگرامی تحریر کرتے ہیں کہ ابراہیم خاں کاردی کے ساتھ جسکو بادو مرہٹہ اپنے

ہمراہ دکن سے لایا تھا، ایک یورپین توپ خانہ تھا، اُس نے مشرق کی جانب جمنا کی ریتی سے قلعہ پر تین توپوں سے گولہ باری کی، اسد برج مثمن بُرج، اور دیگر شاہی عمارات پر گولے مینہ کی طرح برس رہے تھے، اور اس گولہ باری سے دیوان خاص۔ دیوان عام۔ رنگ محل۔ موتی محل اور شاہ بُرج کو بہت نقصان پہنچا، لیکن قلعہ کی دیواریں بسبب سنگینی کے محفوظ رہیں۔

انہدام عمارات بعد غدر

نہایت افسوس ہے کہ غدر کے بعد چھوٹی چھوٹی عمارات اور صحنوں کے ارد گرد کے مکانات منہدم کر دیے گئے، اور یہی وجہ ہے کہ موجودہ عمارات بغیر صحن اور اُن کے ارد گرد کے مکانات کے جن سے عمارات کا سلسلہ قائم تھا بہت کچھ بے معنی اور بدزیب معلوم ہوتی ہیں۔ رنگ محل۔ ممتاز محل اور خورد جہاں کے مغربی جانب کے زنانہ صحن اور باغات سب ناپید ہو گئے، اور اُن کے ساتھ چاندنی محل بھی جو خورد جہاں کے جانب غرب کچھ فاصلہ پر واقع تھا، دیوان عام کے صحن کے شمالی جانب شاہی گودام، باورچیخانے اور توشہ خانہ تھے، لیکن یہ عمارات مع نصف باغ حیات بخش کے منہدم کر دی گئیں۔ اور اُن کی جگہ اب فوجی بارکیں ایستادہ ہیں۔ اور پریڈ گراؤنڈ ہے،

حیات بخش باغ کے شمالی جانب شہزادوں کے محلات حرم سرائے اور باغات تھے، جو اب منہدم ہو گئے ہیں، قلعہ کے شمال مغربی کونہ پر شاہی اصطبل اور گودام تھے اور مابین مغربی دیوار اور بازار جسکا سلسلہ دہلی دروازہ سے مہتاب باغ سے شمالی حد تک جاتا تھا شاہی خدام و ملازمین کے متعدد مکانات تھے جو اب مسمار ہو گئے ہیں۔

قلعہ کے دروازے

لاہوری دروازہ :- لاہوری دروازہ سب دروازوں سے زیادہ مشہور ہے یہ مغربی دیوار کے وسط میں واقع ہے اور یہیں سے دہلی کی خاص سڑک چاندنی چوک شروع ہوتی ہے، یہ عظیم الشان سہ منزلہ عمارت ہے اور اس کے داخلہ کی محراب اکتالیس فٹ اونچی اور ۴۲ فٹ چوڑی ہے، جس کے دائیں بائیں ہشت پہل بُرج ہیں جن پر ہشت پہل چھتریاں ہیں، ان ہشت پہل چھتریوں کے درمیان سنگ مرمر کی سات بُرجیاں ہیں، جن کے ہر دو جانب گاؤ دُم مینار ہیں، دروازہ کی محراب پر ایک دالان ہے، جس کے دراس وجہ سے کہ یہاں فوجی افسر رہتے ہیں بند کر دیے گئے ہیں، دیوار کے کنگورے خاص طور پر قابل دید ہیں۔

اورنگ زیب کی بنائی ہوئی گھوگس، اورنگ زیب نے اس دروازہ کی مزید حفاظت کے لیئے اُس کے سامنے ایک گھوگس تعمیر کی تھی جس کی دیواریں چالیس فٹ اونچی ہیں اور مغربی دیوار کے کونوں پر دو چھتریاں ہیں، گھوگس کا دروازہ شمال رویہ ۴۰ فٹ اونچا اور ۲۴ فٹ چوڑا ہے اس کے اوپر کنگورے ہیں اور دائیں بائیں پتلے پتلے سُبک مینارے ہیں، کہتے ہیں کہ شاہجہاں نے جب وہ آگرہ میں مقید تھا اس گھوگس کے متعلق اورنگ زیب کو یہ تحریر کیا تھا کہ اے فرزند ارجمند تم نے قلعہ کو دُلہن بنایا اور اُسکا گھونگھٹ نکالا۔

پُل تعمیر کردۂ اکبر شاہ ثانی گھوگس کے سامنے لکڑی کے ٹوٹواں پُل کی بجائے اکبر شاہ ثانی نے ۱۸۱۱ء میں پختہ پُل تعمیر کیا جسپر ذیل کا کتبہ سنگِ مرمر پر کندہ کیا ہوا نصب ہے۔

هُوَالغنی

سنہ جلوس والا ۱۲۲۶ھ ۱۸۱۱ء در عہد شاہ جہاں محمد اکبر
بادشاہ غازی صاحب قرانِ ثانی باہتمام دلاور الدولہ رابرٹ
ماقفرسن صاحب بہادر دلیر جنگ پُل فیض منزل تعمیر یافت

ہرن مصنف سیون سٹیز آف دہلی کا بیان ہے کہ لاہوری دروازہ کے سامنے ایک بڑا چوک تھا اور یہاں ہندو امرا جن کے سپرد قلعہ معلّے کی حفاظت ہوتی تھی قیام کرتے تھے، کیونکہ قلعہ کی چار دیواری کے اندر اُنہیں اطمینان نہ ہوتا تھا۔ اس چوک کے سامنے ایک بڑا تالاب تھا جس کا تعلق چاندنی چوک کی نہر سے تھا اور وہ لارڈ ایلنبرا کے نام پر ۱۸۴۶ء میں تعمیر ہوا تھا۔

دہلی دروازہ اور سنگین ہاتھی

دہلی دروازہ قلعہ کی جنوبی دیوار میں واقع ہے اسکی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اسکا رُخ پرانی دہلی کی طرف ہے۔ یہ ہو بہو مثل لاہوری دروازہ کے ہے۔ لیکن اس کے داخلہ کی محراب کے ہر دو جانب ایک ایک سنگین ہاتھی ایستادہ ہے۔

ان ہاتھیوں اور ان کے سواروں کی نسبت بہت سی روایتیں مشہور ہیں لیکن اسکی کوئی اصلیت نہیں کہ وہ گوالیار یا آگرہ کے قلعہ سے لائے گئے تھے، ایک روایت یہ ہے کہ ان ہاتھیوں کے سوار جیمل و پٹہ مشہور راجپوت سردار تھے، مگر اغلب گمان یہ ہے کہ وہ محض مہاوتوں کی تصویریں ہوں گی، اور ہاتھی بھی محض لڑائی کے ہاتھی ہونگے اورنگ زیب کی سخت پابندی شرع نے اس امر کی اجازت نہ دی کہ وہ ان ہاتھیوں کی مورتوں کو رہنے دیتا چنانچہ اُس نے اُن کو توڑنے کا حکم دیا۔ ۱۸۶۳ء تک ان کا کوئی پتہ نہ تھا، لیکن قلعہ میں چند عمارتیں مسمار کرتے ہوئے ان ہاتھیوں کے کم و بیش سوا سو ٹکڑے برآمد ہوئے۔ تین سال کے عرصہ میں ایک ہاتھی ان ٹکڑوں سے بنایا گیا، جس کو ملکہ کے باغ میں ریلوے سٹیشن کے مقابل نصب کیا گیا۔ بعدہ یہ ہاتھی

وہاں سے اُٹھا کر چاندنی چوک کے بازار میں ایک مقام پر کھڑا کیا گیا۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں لارڈ کرزن کے حکم سے موجودہ ہاتھی تیار ہوئے، لیکن پرانے ہاتھی کے ٹکڑے جواب عجائب خانہ میں رکھے ہوئے ہیں دوبارہ استعمال نہ ہو سکے، ان موجودہ ہاتھیوں کے بنانے کا کام مسٹر آر کے میکینزی کے جو ہندوستانی صنعت کے ماہر تھے سپرد ہوا تھا، اور صاحب موصوف کے نمونہ پر سنگ تراشوں نے ان کو بنایا۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان ہاتھیوں کے اصل مقام کے متعلق شبہات کیوں پیدا ہوئے برنیر نے صاف طور پر بیان کیا ہے کہ وہ دہلی دروازہ میں تھے اور اُسکے بیان کی تائید ڈی تھیونا ٹ کرتا ہے، جس نے برنیر سے کچھ ہی سال بعد اُنکو دیکھا تھا، یہ غلط فہمی غالباً آثار الصنادید کی وجہ سے پیدا ہوئی جس کے آخری ایڈیشن میں یہ تحریر ہے کہ وہ نوبت خانہ پر نصب تھے۔ اس کتاب کے پہلے ایڈیشن میں اُن کا دہلی دروازہ کے سامنے ہونا تحریر ہے۔

کارسٹیفن بھی یہی لکھتا ہے کہ وہ نوبت خانہ کے سامنے تھے لیکن کین اُنکو دلّی دروازہ کے سامنے بتاتا ہے، کارسٹیفن کی رائے ہے کہ برنیر کے بیانات قلعہ کے دروازوں کے متعلق اس قدر ناقص ہیں کہ اُن کا اظہار و انطباق کسی دروازہ پر بھی نہیں ہو سکتا۔ بہرحال برنیر ان ہاتھیوں کا ذکر کرنے کے بعد صاف طور پر لکھتا ہے کہ اُس دروازہ سے گزر کر جہاں ہاتھی کھڑے تھے ایک وسیع بازار پڑتا ہے جس کے وسط میں ایک نہر ہے، اور اس بازار و نہر کا حوالہ ایم ڈی تھیونا ٹ نے بھی دیا ہے، قلعہ میں اس قسم کا صرف ایک بازار تھا اور اُسکا سلسلہ جیسا کہ پرانے نقشوں سے ظاہر ہوتا ہے نوبت خانہ کے سامنے کے چوک میں کو ہو کر شمالاً جنوباً جاتا تھا۔ لاہوری دروازہ کے متعلق برنیر کا بیان چھتہ چوک کے ذکر سے اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہاں سے بازار مسقف میں کو

راستہ ہے جس کی دونوں جانب دوکانیں ہیں، موجودہ ہاتھیوں کو نصب کرتے وقت جب کھدائی ہوئی تو پرانے ہاتھیوں کے وہاں نشانات ملے اور اب اس میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا کہ قدیم زمانہ کے ہاتھی یہیں کھڑے تھے۔

دہلی دروازہ کے سامنے بھی مثل لاہوری دروازہ کے ایک گھوگس ہے، اور یہاں پر بھی ایک پختہ پل ہے جو اکبر شاہ ثانی کے زمانہ میں زیر اہتمام رابرٹ میکفرسن تعمیر ہوا تھا۔ جسپر ایک کتبہ بھی مثل لاہوری دروازہ کے پل کے کتبہ کے ثبت ہے،

قلعہ کے دیگر دروازے

علاوہ ان دروازوں کے قلعہ کے تین دروازے اور دو کھڑکیاں اور ہیں، ان میں سے ایک سے سلیم گڑھ کو راستہ جاتا ہے اور کارونیشن دربار ۱۹۱۱ء میں بادشاہ سلامت اسی دروازہ سے قلعہ میں داخل ہوئے تھے،

اوّلاً اس کے قریب ایک پرانا پل تھا، جس کو جہانگیر بادشاہ نے ۱۰۳۱ھ مطابق ۱۶۲۱ء میں تعمیر کیا تھا، لیکن وہ پل موجودہ ریل کا پل بناتے وقت منہدم کر دیا گیا۔ قدیم پل پتھر کا بنا ہوا پنجدرہ تھا، اور اس پر دو کتبہ بھی نصب تھے، جن میں ایک کتبہ عجائب خانۂ دہلی میں رکھا ہوا ہے، اس پل کے سامنے کا دروازہ بھی پل کی طرح نو تعمیر شدہ ہے، پل مذکور اور شاہ برج کے درمیان ایک کھڑکی ہے، دوسرا دروازہ مثمن برج کے نیچے ہے جو حضری دروازہ کے نام سے مشہور ہے اور اسی دروازہ کو کپتان ڈگلس نے ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو کھلوانا چاہا تھا، تاکہ وہ اس دروازہ سے نکلکر باغیوں سے جو دریائے جمن کی ریتی میں جمع تھے گفتگو کریں، یہ دروازہ اب بند کر دیا گیا ہے۔

رنگ محل کے جنوب میں چند گز کے فاصلہ پر قلعہ کی دیوار کی جڑ میں ایک کھڑکی

اور ہے لیکن وہ بند ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مغل بادشاہوں کے دور ہی میں اُس کو بند کر دیا گیا تھا، اس کھڑکی کی پشت پر کھدائی ہوئی تھی مگر بجز ایک مٹی کے اور کچھ برآمد نہیں ہوا۔ یہ روایت کہ اس کھڑکی کا نام شاہی دروازہ تھا اور اسکی غرض وغایت یہ تھی کہ اُس سے شاہی جنازے دفن کرنے کے لیئے قلعہ کے باہر لیجائے جاتے تھے، حقیقتاً بہت دلچسپ ہے، لیکن محتاج تصدیق ہے،

تیسرا دروازہ اسد برج کے قریب ہے اور اس کو بھی خضری دروازہ کہتے ہیں یہ نہایت دلچسپ اور خاص وضع کا ہے، لیکن چونکہ وہ موجودہ باقیماندہ شاہی عمارات سے علٰحدہ واقع ہے بہت کم آدمیوں کو اس کے دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ اس دروازہ کے اندرونی درتک بہت سی سیڑھیاں چڑھکر پہنچتے ہیں، اُس کے سامنے بھی ایک گھوگس بنی ہوئی ہے جسکا بیرونی دروازہ دریا کی جانب ہے اور اب بند کر دیا گیا ہے

چھتہ چوک

چھتہ چوک ایک مسقف بازار ہے جو لاہوری دروازہ سے نوبت خانہ کے قریب تک چلا گیا ہے، فرگسن لکھتا ہے کہ شاید ہی کوئی ایسا محل ہو جسکا ایسا شاندار دروازہ ہو جیسا کہ چھتہ چوک ہے، یہ دو سو چھیاسٹھ فٹ لمبا اور ۲۷ فٹ چوڑا ہے۔ وسط میں ایک ہشت پہل صحن ہے، جہاں پر چھت کھلی ہوئی ہے، راستہ کے دونوں جانب بتیس ۳۲ دو منزلہ دوکانیں ہیں۔ محمد صالح اس کا نام بازار مسقف لکھتا ہے اور وسطی صحن کا نام جو اوپر سے کھلا ہوا ہے، "چھتہ منزل"۔ اسی مؤرخ کا یہ بھی بیان ہے کہ اس قسم کا بازار اہل ہند کی نظر سے کبھی نہیں گزرا تھا، اور وہ خود شاہجہاں کی ایجاد ہے جنہوں نے ان عمارات کی تعمیر میں بہت دلچسپی کا اظہار کیا، بشپ ہیبر اکبر شاہ ثانی کی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے چھتہ چوک کے متعلق یوں لکھتے ہیں کہ "ہمارے استقبال میں فوج کی

سلامی دی گئی جو گھوگس میں صف بستہ کھڑی تھی اور ہم ہاتھیوں پر سوار آگے بڑھے اور ایسے شاندار دروازہ میں کو گزرے جیسا میں نے اپنی عمر میں کبھی نہیں دیکھا تھا، اس دروازہ میں علاوہ ایک عظیم الشان گاتھک محراب کے ایک لمبی مسقف گزرگاہ ہے جیسی کہ گاتھک وضع کے گرجوں میں ہوتی ہے، اُس کے وسط میں ایک ہشت پہل صحن ہے جس کے اِردگرد سنگ خارا کی محرابیں ہیں اور اُن پر نہایت نفاست کے ساتھ قرآن شریف کی آیتیں اور پھول پتیاں کندہ ہیں، گزرگاہ مذکور کے آخری سرے پر ایک شکستہ اور نہایت غلیظ اصطبل ہے"۔

اس مسقف بازار کے مشرقی کنارے پر ایک چوکور کھُلا ہوا صحن تھا دوسو فٹ مربع جس کے چاروں طرف در بنے ہوئے تھے، جہاں پہرا دینے والے امرا قیام کرتے تھے اس کے جنوب مشرقی پہلو پر چند عمارات تھیں جہاں شاہی ناظر کا دفتر تھا، صحن کے وسط میں ایک حوض تھا جس میں اُس نہر سے پانی آتا تھا جو شمالاً وجنوباً شاہی باغات اور دہلی دروازہ کی جانب بہتی تھی، اس نہر کے ہر دو جانب بازار تھا۔ برنیر لکھتا ہے کہ اس بازار کے سامنے ایک پٹڑی چار فٹ چوڑی اور ۴½ فٹ زمین سے بلند تھی اسی بازار میں کم درجہ کے شاہی ملازمین سودا سلف خریدتے تھے اور ادنےٰ مرتبہ کے امراء کا یہاں پہرا ہوتا تھا، مذکورۂ بالا صحن کے مشرقی جانب نوبت خانہ یا نقار خانہ تھا جس کے چاروں طرف ایک سنگین کٹہرا لگا ہوا تھا۔ یہ صحن مع چوگردی عمارات و وسطی حوض اور سنگین کٹہرے کے مسمار ہو گیا، لیکن خیال ہے کہ اُن کے مقامات پر بھی نشاندہی کیلئے مہندی کی باڑھ اور گھاس لگائی جائے جیساکہ قلعہ کی دیگر مسمار شدہ شاہی عمارات کے متعلق کیا گیا ہے۔

نوبت خانہ یا نقار خانہ

یہ عمارت فی الحقیقت دروازہ ہے۔ اسکا طول ننانوے ۹۹ فٹ عرض اڑسٹھ ۶۸ فٹ اور بلندی

کرسی سے منڈیر تک ۵۶ فٹ ہے - داخلہ کی محراب کی بلندی ۳۹ فٹ اور چوڑائی ۱۶ فٹ ہے، یہ خیال رہے کہ موجودہ کرسی نو تعمیر شدہ ہے حقیقتاً اس عمارت کا فرش دیوانِ عام کے صحن کے ہم سطح تھا، تجویز ہے کہ یہ کرسی بہت جلد منہدم کردی جائے تاکہ نوبت خانہ کے دروازہ میں کو راستہ اصل سطح پر رہے - ابتدا میں نوبتخانہ کے شمال و جنوب میں عمارات تھیں، لیکن وہ غدر کے بعد مسمار کر دی گئیں اور اب اُن کے نشان کے لیے مہندی کی باڑھ لگا دی گئی ہے،

نوبت خانہ پر جیسا کہ اُس کے نام سے ظاہر ہے دن میں پانچ دفعہ نوبت بجتی تھی، لیکن اتوار کے روز چونکہ یہ دن سورج سے نامزد ہے نوبت دن بھر بجتی رہتی تھی اور اسی طرح ہفتہ کے اُس روز جو بادشاہ کی پیدائش کا دن ہوتا تھا،

برنیر کہتا ہے کہ اول اول میرے کان نوبت سے گھگیا جاتے تھے اور اُسکی آواز ناقابل برداشت معلوم ہوتی تھی لیکن رفتہ رفتہ عادت ہو جانے سے اُسمیں عظمت اور شان و شوکت معلوم ہونے لگی،

قاعدہ تھا کہ شاہی محلات کے ملحق نوبت خانہ ہوتا تھا اور یہ رسم اب تک دیسی ریاستوں میں پائی جاتی ہے - غدر کے بعد سے ۱۹۰۶ء تک یہ عمارت قلعہ کے چند فوجی افسروں کا مسکن رہی جن کی آسایش کے واسطے اُس میں کچھ ترمیم کر دیگئی تھی، لیکن بعدہ ان ترمیمات کو دور کرکے جہاں تک ممکن ہوا اُس کو اصلی حالت پر لایا گیا - اوپر کی منزل میں فی الحال جنگی عجائب خانہ ہے، جو ابھی چند روز ہوئے کہ یہاں قائم کیا گیا ہے - نیچے کی منزل میں جہاں اب محافظ عمارات شاہی اور جنگی عجائب خانہ کے دفاتر ہیں ۱۹۱۱ء تک اشیاء قدیمہ کا عجائب خانہ تھا، جو اب ممتاز محل میں ہے -

دیوانِ عام

نوبت خانہ سے گزر کر دیوانِ عام میں پہنچتے ہیں، یہاں نوبت خانہ کے دروازہ میں کو کوئی شخص سوائے شہزادوں کے سواری پر نہیں جاسکتا تھا یعنی سفیر و وزیر و امیر خواہ کتنے ہی بلند درجہ کے ہوتے تھے یہیں پر سواری سے اُتر پڑتے تھے، اور دیوان عام تک پیدل جاتے تھے، شاہانِ مغلیہ کے آخری دور تک جب کہ وہ محض نشین خوار رہ گئے تھے اسکا بہت سختی کے ساتھ لحاظ رکھا جاتا تھا۔ فرنسس ہاکنس صاحب دہلی کے رزیڈنٹ اس ہی الزام پر اپنی ملازمت سے برطرف کیے گئے تھے کہ وہ نوبتخانہ کے دروازے میں کو گھوڑے پر سوار چلے گئے تھے۔

دیوانِ عام کا صحن:۔ دیوانِ عام کے صحن کا طول پانچسو پچاس فٹ اور عرض تین سو فٹ تھا، اور اس کے اردگرد درخت تھے جو برنیر کے بیان کے موافق یک منزلہ تھے۔ ان دروں کے درمیان میں دیواریں تھیں لیکن اس طرح پر کہ ایک در میں سے دوسرے در میں کو دروازہ سے راستہ تھا، یہ در دو ہر تھے، اور ان کی کرسی ساڑھے تین فٹ بلند تھی، یہاں پر پہرہ دینے والے امراء کا قیام رہتا تھا اور امراء کا ان کی سجاوٹ پر اور زینت میں باہم مقابلہ ہوتا تھا، غدر کے بعد یہ در منہدم کر دیے گئے، لیکن اُن کی جگہ اب نشاندہی کے لیئے صنوبر وغیرہ درختوں کی قطار لگادی گئی ہے، صحن کے شمالی جانب کو شاہی مطبخ تھا اور اُس کی مشرق میں دیوان عام کی عمارت تھی جس کی شمالی جانب ایک دروازہ تھا اور اُس سے دیوان خاص کو راستہ جاتا تھا، شاہانِ مغلیہ کے آخری بادشاہوں کے زمانہ میں دیوان عام کے عقب میں ولیعہد کا محل بناکر اُس کے منظر کو خراب کر دیا تھا یہ محل یورپین وضع کا تھا جس طرز کا ہندوستان میں اُس زمانہ میں بہت رواج ہوگیا تھا

دیوانِ عام کی شفاف سفید استر کاری اور سنہری منبت کاری اب جاتی رہی ہے کرسی اس کی تقریباً ۴ فٹ بلند ہے، طول ۸۰ فٹ اور عرض ۴۰ فٹ ہے، کرسی سے منڈیر تک بلندی ۳۰ فٹ ہے اور چھت کے مغربی کونوں پر ایک ایک چھتری ہے۔ اس کے شمال جنوب اور مغرب کی جانب مرغولہ دار در ہیں جن پر ایک چوڑا چھجہ سایہ کیئے ہوئے ہے، اس چھجے پر قدیمی نقاشی کے نشانات اب تک باقی ہیں، اس عمارت میں تین ایوان ہیں اور ہر ایوان میں نو نو مرغولہ دار در پتھر کے ستونوں پر استادہ ہیں

نشیمن ظلِ الٰہی پشت کی دیوار کے وسط میں ایک سنگِ مرمر کی شہ نشین ہے، جو نشیمن ظلِ الٰہی کے نام سے موسوم ہے اور جسمیں بیش قیمت پتھروں سے پچی کاری ہو رہی ہے۔ اس شہ نشین کے نیچے ایک سنگ مرمر کا تخت سات فٹ لمبا اور تین فٹ چوڑا رکھا ہوا ہے، کہتے ہیں کہ یہاں سے وزیر کھڑا ہو کر بادشاہ کی خدمت میں عرضیاں پیش کرتا تھا، جو نشیمن ظلِ الٰہی پر جلوہ افروز ہوتے تھے۔ تخت کے سامنے ایک کٹہرا تھا چالیس فٹ لمبا اور ۳۰ فٹ چوڑا جس میں سلطنت کے معزز ترین امراء کی جگہ تھی، بقایا حصہ دیوانِ عام کا اُن سے کم درجہ کے امراء کے واسطے مخصوص تھا اور اس کے باہر چبوترے پر جسکا نام گلال باڑی تھا ادنےٰ درجہ کے امراء اور اراکین ہوتے تھے، عام تماشائی اس چبوترے کے نیچے کھڑے ہوتے تھے،

بشپ ہیبر جس نے دیوانِ عام کو ۱۸۲۵-۲۶ء میں دیکھا تھا بیان کرتا ہے کہ وہ کوڑے کرکٹ مثلاً ٹوٹی پالکیاں اور خالی صندوقوں سے اٹا ہوا تھا، اور نشیمن ظلِ الٰہی کبوتروں کی بیٹ سے اس قدر لسا ہوا تھا کہ اُسکی پچیکاری مشکل سے نظر آتی تھی۔

نشیمن ظلِ الٰہی کی پچی کاری نشیمن ظلِ الٰہی کی دیواروں پر پچی کاری کا کام خاص طور پر قابلِ ملاحظہ ہے، مشہور ہے کہ اسکو ایک مفرور یورپین جوہری مسمی آسٹن ڈی بورڈو نے کیا تھا، اس پچی کاری میں پھولوں پھلوں

اور پرندوں کی تصاویر بالکل اصل کے مطابق ہیں اور ان کے علاوہ ایک تصویر آرفیس کی اس حیثیت سے بنی ہوئی ہے کہ وہ بربط بجا رہا ہے اور ایک شیر اور خرگوش اور چیتا مدہوش اُس کے پاؤں کے پاس پڑے راگ سُن رہے ہیں۔ ۱۸۵۷ء میں جب اس قلعہ پر انگریزوں کا قبضہ ہوا تو آرفیس کی تصویر والی تختی یہاں سے اُکھاڑ کر ساؤتھ کینسنگٹن کے عجائب خانہ میں رکھ دی گئی تھی علاوہ ازیں گیارہ اور تختیاں بھی یہاں سے نکالی گئی تھیں، لیکن کچھ عرصہ کے بعد لارڈ کرزن کے ایما سے وہ وہاں سے واپس منگا کر اپنی جگہ پر ثبت کر دی گئیں، خوش قسمتی سے اس پچی کاری کے نقشے موجود تھے، جن کی مدد سے اس عجائب روزگار صنعت کے کام کی پھر از سر نو مرمت ہو سکی جس کے واسطے اٹلی سے ایک فن پچیکاری کے ماہر کو بُلایا گیا تھا اور جو ۱۹۰۹ء میں تکمیل کو پہنچا۔ ذیل کی عبارت اس پچی کاری کے متعلق سرجان مارشل صاحب بہادر ڈائرکٹر جنرل محکمۂ آثار قدیمہ کی سالانہ رپورٹ ۱۹۰۲-۳ء سے ترجمہ کی جاتی ہے اور یقین ہے کہ ناظرین کے لیئے خالی از دلچسپی نہ ہوگی۔

نشیمن ظل الٰہی کی زیبائش میں خاص طور پر سنگ موسیٰ کی تختیاں مشہور ہیں جنپر مختلف قسم کے پتھروں کی پچیکاری ہے پرندوں کی تصاویر اور پھول پتیاں بنی ہوئی ہیں، اس قسم کی آرائش ہندوستان میں اور کہیں نہیں ہے اور اس میں سب سے زیادہ مشہور آرفیس کی تصویر ہے جو ایک درخت کے نیچے بربط بجا کر جانوروں کو مسحور کر رہا ہے، غدر ۱۸۵۷ء میں ان میں کی بہت سی تختیاں جو اکثر چھوٹی چھوٹی تھیں نکلکر ضائع ہوگئیں، منجملہ اُن تختیوں کے جو یہاں سے نکال لی گئی تھیں بارہ تختیاں جن میں آرفیس کی تصویر کی تختی اور دیگر چار بڑی اور سات چھوٹی تختیاں تھیں سرجان جونس کے قبضہ میں آئی تھیں اور اُنہوں نے اُن کو سرکار برطانیہ کے ہاتھ ۵۰۰ پونڈ میں

فروخت کر دیا تھا، سرکار برطانیہ کے ایماء سے وہ ساؤتھ کینسنگٹن کے عجائب خانہ میں رکھ دی گئی تھیں، ۱۸۸۲ء میں میجر ایچ ایچ کول کی زیر نگرانی جو اُس زمانہ میں ہندوستان کی عمارات قدیمہ کے محافظ تھے پشت کی دیوار کے نصف زیریں حصہ کی پچیکاری کی مرمت عمل میں آئی، یہ مرمت اگرچہ بڑی ہوشیاری سے کی گئی، لیکن افسوس ہے کہ کچھ پتھر اس موقع پر ایسے لگائے گئے جو اصل پتھروں کے مقابلہ میں بدزیب تھے، اور یہ فرق خاص طور پر ان تختیوں کے پتھر کی رنگت سے محسوس ہوتا ہے۔ یعنی یہ نئی تختیاں ہندوستانی سنگ موسیٰ کی ہیں جن کی رنگت بھوری سیاہی مائل ہے اور انکے مقابل میں اصل تختیاں نہایت گہری سیاہ ہیں۔ جس رنگت کا سنگ ہوسے صرف اٹلی میں پایا جاتا ہے، اس کے علاوہ کاریگری کے اعتبار سے بھی یہ نیا کام بلحاظ نفاست پرانے کام سے گرا ہوا ہے دیوار کے اوپر کے حصہ کی مرمت میجر کول نے نہیں کی تھی، کیونکہ اُن کو اُمید تھی کہ کسی نہ کسی وقت میں وہاں کی نکلی ہوئی تختیاں انگلستان سے واپس آجائینگی اور یہ امر ناقابل معافی ہوتا کہ یہاں پر تو نئی تختیاں بنوا کر لگا دی جائیں اور اصل تختیاں دوسری جگہ موجود ہوتیں۔ گورنمنٹ ہند نے گزشتہ سال یعنی ۱۹۰۲ء میں ایک وقیع عرضداشت ارسال کی اور وکٹوریہ و البرٹ میوزیم کے ٹرسٹیز براہ عنایت اُن کے واپس کر دینے کے لیئے راضی ہو گئے۔

اُمید کی جاتی تھی کہ یہ منقش تختیاں دربار ۱۹۰۳ء تک ہندوستان میں واپس آجاویں گی اور یہ موقع سرکار عالیہ کے اُس فیاضانہ پالیسی کے

اظہار کے لیئے مناسب ہوگا جو اُس نے پُرانی عمارات و آثار کے تحفظ کے لیئے اختیار کی ہے اور جو پُرانے رویّہ یعنی اُن کے برباد کرنے کی پالیسی کے بالکل مخالف ہے۔ بدقسمتی سے تختیاں مذکور دسمبر ۱۹۰۲ء کی آخری تاریخ تک ہندوستان میں نہ پہونچ سکیں اس لیئے اُن کا نصب کرنا دربار کے بعد کو ملتوی کر دیا گیا۔ چنانچہ اب وہ پشت کی دیوار میں اپنی اصلی جگہ پر ثبت کر دی گئی ہیں، دیوار کے اوپر کے حصّہ کی دیگر تختیوں پر جلا کی گئی ہے، اور ان میں جو لاکھ بھری ہوئی تھی وہ صاف کر دیگئی ہے، اب بھی بعض بعض جگہ خالی ہے جہاں سے تختیوں کا یا تو کچھ حصہ ٹوٹکر ضائع ہو گیا ہے، یا وہ بالکل نکل گئی ہیں، یہ خالی جگہ بھی رفتہ رفتہ پُرانے نمونہ کے موافق نئی تختیوں سے بھر دی جاوے گی، لیکن اس خاص قسم کے پتھر کے پہچاننے اور یورپ سے خریدنے کے لیئے کچھ زمانہ درکار ہے اور غالباً یہ ضرورت پڑے کہ ان کو فلارنس میں تیار کرایا جاوے، یا اٹلی کے دستکار اس کام کو انجام دینے کے لیئے ہندوستان میں بُلائے جائیں۔

ان تختیوں کی ساخت کے زمانہ اور طرز کے متعلق بھی کچھ بیان کرنا ضروری ہے، روایتاً مشہور ہے کہ نشیمن ظلِ الٰہی کی آرائش و زیبائش آسٹن ڈی بورڈو ایک فرانسیسی صنّاع نے جس کو شاہجہاں نے قلعۂ دہلی اور تاج محل کی تعمیر کے واسطے نوکر رکھا تھا کی ہے۔ دیسی گائڈ آرفیس کی تصویر کو آسٹن ڈی بورڈو کی تصویر بتلاتے ہیں، لیکن یہ روایت قطعاً فرضی ہے شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ تختیوں کا طرز اطالوی ہے، یہ بات ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے کہ تختیوں کا سنگ موسیٰ اور نیز وہ پتھر جن سے پچیکاری کی گئی ہے اطالوی ہی ہے اور اس لیے یہ فرض کر لینا غیر واجب نہ ہوگا کہ صرف

اُن کا نقشہ ہی اٹلی کا تیار کردہ نہیں ہے بلکہ وہ واقعی وہیں تیار ہوئی تھیں اور بعد ہ اس مُلک میں لائی گئیں۔

ان تختیوں کے درمیان کے گُل بوٹے قطعی ہندوستانی وضع کے ہیں اور وہ ہندوستان ہی کی صنعت ہے جن میں اطالوی اثر کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا۔

ہیول نے حال ہی میں دہلی کے تخت پر ایک مضمون دی نائن ٹینتھ سینچری اینڈ آفٹر میں شائع کیا ہے، جس میں اُنہوں نے یہ تحریر کیا ہے کہ تخت مذکور کی پچی کاری کے کام کو شاہجہاں کے زمانہ کی بیان کرنا غلط ہے بلکہ اس کو اٹھارہویں صدی کی ابتدا کا تصور کرنا چاہیئے۔ ان کا اس امر پر زور دینا کہ یہ کام لحاظ صنعت کے تاج محل کے کام سے کمتر ہے بالکل صحیح ہے، وہ اپنے دعوے کی دلیل میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ اگر یہ پرند اور جانوروں کی تصویریں اورنگ زیب کے زمانہ میں ہوتیں تو یہ محال تھا کہ وہ بت شکن بادشاہ ان کی صورتوں کو بغیر مسخ کیئے چھوڑ دیتا۔ لیکن یہ دلیل قابل پذیرائی نہیں کیونکہ ایسی تصویریں مثال کے طور پر پیش کی جاسکتی ہیں کہ جنہیں اورنگ زیب کی نظر پڑتی رہی اور وہ اُس کے تباہ کن ہاتھوں سے بچ گئیں، بلحاظ صنعت کے کمتر ہونا بھی اس امر کی کافی شہادت نہیں کہ وہ شاہجہاں کے بعد کی ہیں۔ لاہور کے قلعہ میں شاہجہاں کے زمانہ کی پچیکاری تاج کے کام سے کہیں گری ہوئی ہے۔ اور دہلی کے تخت (نشیمن ظلّ الٰہی) کا کام تو خصوصیت کیساتھ مشکل تھا، کیونکہ یہ آرائش اسطرح پر ہوئی تھی کہ مختلف پیمائش اور غیر مانوس طرز کی متعدد درج مستطیل تختیاں ثبت کی گئی تھیں اور مشکل ہی سے

ایسے صناع مل سکتے تھے جو ان کو خوشگوار اور پسندہ اسلوب پہ ترتیب دے سکتے، چہ جائیکہ مغل صنّاع جو پرانے طور و طریقے کے سختی کے ساتھ پابند تھے۔ اس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ امر تعجب انگیز نہیں کہ یہ آرائش عجیب سی معلوم ہوتی ہے یا یہ کہ تختیوں کے درمیان کی منبت کاری تاج محل کے مقابلہ میں گری ہوئی ہے۔

دیوانِ عام کی رسومات برنیر اُن رسومات کا جو دیوانِ عام میں ادا کی جاتی تھیں اِس طور پر ذکر کرتا ہے :۔

" دو یا ڈیڑھ گھنٹہ کے دوران میں جبکہ دربار کی رسم ادا کی جاتی ہے شاہی گھوڑے تخت کے سامنے کو گزرتے ہیں تاکہ بادشاہ سلامت یہ دیکھ سکیں کہ ان کی داشت اچھی ہوتی ہے اور وہ اچھی حالت میں ہیں۔ اس کے بعد ہاتھی لائے جاتے ہیں جنکی کھال پر خوب دھوکر سیاہ روغن کیا ہوا ہوتا ہے اور دو لکیریں سر سے سونڈ کے سرے تک سُرخ رنگ کی کھچی ہوتی ہیں، ان ہاتھیوں پر زری کی جھول پڑی ہوتی ہے اور چاندی کے گھنٹے وزنی زنجیروں میں کمر کے اِدھر اُدھر لٹکے ہوتے ہیں اور نیز تبت کی بیش بہا سفید چنوریاں ان کے کانوں سے مثل گل مچھوں کے لٹکتی ہوتی ہیں، دو چھوٹے ہاتھی نہایت نفاست سے آراستہ ان قوی ہیکل ہاتھیوں کے ساتھ مثل غلاموں کے رہتے ہیں ہر ہاتھی تبختر کے ساتھ قدم بڑھاتا ہے، گویا کہ اپنی نفیس پوشاک اور شان و شوکت پر نازاں ہے، اور جب وہ تخت کے سامنے پہنچتا ہے تو مہاوت جو اُس کی گردن پر بیٹھا ہوتا ہے اُس کے انکس چبھو کر کچھ کہتا ہے، یہاں تک کہ وہ دو زانو بیٹھ جاتا ہے اور سونڈ اُٹھا کر زور سے چلاتا ہے۔ اس حرکت کو لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ ہاتھی بادشاہ کو تسلیم بجالاتا ہے۔ پھر دوسرے جانور پیش کیے جاتے ہیں مثلاً ہرن۔ نیل گائے گینڈا۔ بنگالی بھینسے جنکے بڑے بڑے سینگ ہوتے ہیں اور وہ اُن سے شیر اور چیتے

کا مقابلہ کرتے ہیں ، پلاؤ چیتے جن سے ہرن کا شکار کرتے ہیں اوزبک کے عمدہ نسل کے شکاری کتے جنکے اوپر چھوٹی چھوٹی سرخ جھولیں پڑی ہوتی ہیں اور آخر میں ہر قسم کے شکاری پرند جو تیتر۔ سارس۔ خرگوش اور ہرن تک کا شکار کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ شکاری پرند ہرن وغیرہ پر نہایت تیزی سے جھپٹتے ہیں اور اُن کے سر پر بیٹھکر اپنے پنجے اور بازوؤں سے اُن کو اندھا کر دیتے ہیں۔

علاوہ ان جانوروں کے ایک یا دو امرار کی فوج بھی بادشاہ کے سامنے پیش ہوتی ہے۔ اس موقع پر سواروں کی وردی معمول سے بہتر ہوتی ہے۔ گھوڑوں کے اوپر زرہ بکتر پڑی ہوتی ہے اور وہ متعدد قسم کے عجیب سازوں سے آراستہ ہوتے ہیں بادشاہ کے سامنے آلائش صاف کرکے بھیڑیں بھی لائی جاتی ہیں اور وہ اُن پر تلوار آزمائی کرتا ہے، نوجوان امرار و منصب دار و گرز بر داران مردہ بھیڑوں کو ایک وار میں دو ٹکڑے کرکے اپنے سپہ گری کے کرتب دکھاتے ہیں۔

لیکن ان کھیل تماشوں کے ساتھ خاص اُمور بھی وابستہ ہوتے ہیں یعنی صرف یہی نہیں ہوتا کہ بادشاہ توجہ کے ساتھ اپنی فوج کا معائنہ کرے بلکہ اُس سے یہ نتیجہ بھی مرتب ہوا ہے کہ جب سے لڑائی ختم ہوئی ہے اُس نے ہر ایک سپاہی کا فرداً فرداً ملاحظہ کیا ہے اور اُن سے ذاتی واقفیت حاصل کی ہے جن میں سے بعض کی تنخواہ میں ترقی یا تنزل کیا ہے، اور بعض کو نوکری سے برطرف کر دیا ہے،

تمام عرضیاں جو عام رعایا دیوان عام میں آنکر گزرانتی ہے بادشاہ کے سامنے پیش کی جاتی ہیں اور پڑھی جاتی ہیں، عرضی دہندہ کو بادشاہ اپنے سامنے بُلا کر جرح کرتا ہے اور مظلوم کی اکثر فوراً دادرسی کی جاتی ہے " (سفرنامۂ برنیر صفحہ ۲۶۱ تا صفحہ ۲۶۳)

دیوان عام کے عقب میں ایک برآمدہ ہے جس کی نسبت یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اسپر چونہ کی سپید استرکاری تھی جو مثل سپیدۂ صبح کے شفاف و چمکدار تھی۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، دیوان عام کے شمال میں ایک دروازہ تھا جہاں سے دیوان خاص کے صحنوں کو راستہ جاتا تھا جو اب منہدم ہو گئے ہیں، لیکن ان کی نشاں دہی سبز گھاس کے تختوں اور مہندی کی باڑھوں سے ہوتی ہے، مغربی صحن کی غربی دیوار کے وسط میں ایک دروازہ تھا اور اس صحن سے دیوان خاص کے دوسرے صحن کو راستہ تھا۔ اس دروازہ کے سامنے ایک سُرخ پردہ تنا رہتا تھا جو لال پردہ کے نام سے موسوم تھا۔

ممتاز محل

ممتاز محل جہاں اب عجائب خانہ ہے جنوب میں سرے کی عمارت ہے، ابتدا میں یہ بیگمات کے رہنے کا محل تھا، سرکار انگریزی کے قبضہ میں آنے کے بعد وہاں فوجی قید خانہ بنایا گیا۔ کچھ عرصہ ہوا کہ وہاں سارجنٹ میس تھا، ان وجوہات سے اس میں قدرے ترمیم کر دی گئی تھی، غدر سے پہلے کھینچے ہوئے قلعہ کی پُرانی تصاویر و نقشوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ عمارت رنگ محل کے مشابہ تھی، جس پر سفید استرکاری ہو رہی تھی، چھت کے کونوں پر چھوٹی چھوٹی چھتریاں تھیں، بیرونی جانب چوڑا چھجہ تھا، لیکن موجودہ چھجہ نو تعمیر شدہ ہے۔ اندرونی جانب بعض بعض مقامات پر قدیمی شیشہ بندی نمایاں ہے، اس کی کُرسی اب تک دبی ہوئی ہے لیکن تجویز ہے کہ یہاں بھی زمین کو اُس ہی سطح پر لایا جائے جیسا کہ شمال میں ہے۔ ۱۹۱۱ء میں یہاں کھُدائی ہوئی تھی اور اس عمارت کے سامنے ایک سنگِ مرمر کا حوض برآمد ہوا تھا اس کو چھوٹا رنگ محل یا خاص محل بھی کہتے تھے اور نہر بہشت مثل شمالی عمارتوں کے اسکے وسط میں کو بھی گزرتی تھی، ممتاز محل اور رنگ محل کے درمیان کی جگہ خاندان مغلیہ کے آخری بادشاہوں کے زمانہ میں عمارتوں سے پُر تھی جسکا غدر سے قبل کی تصویروں سے پتہ چلتا ہی اغلب ہے کہ شاہجہاں کے زمانہ میں یہاں ایک اور بارہ دری ہو اور دروں کا وہ سلسلہ جو رنگ محل کے سامنے والے باغ کی جنوبی حد پر تھا شاید یہاں بھی قلعہ کی دیوار پر ہو کیونکہ

قلعہ کی مشرقی دیوار پر کے سلسلۂ عمارات میں ہر خالی جگہ پر سنگ مرمر کی جالیاں ہونگی
تاکہ حرم کے رہنے والوں کا دریا کی جانب سے پردہ رہے۔
کہتے ہیں کہ ممتاز محل کے جنوبی جانب بھی ایک مکان تھا جسکا نام خورد جہاں تھا، اس کی وجہ تسمیہ معلوم نہیں، ممکن ہے کہ اس میں مختلف قسم کے پھولدار درخت اور دیگر اشیاء جمع کرکے یہ کوشش کیگئی ہو کہ یہ عمارت ایک چھوٹے پیمانہ پر دُنیا کا نمونہ نظر آئے۔

رنگ محل

رنگ محل ممتاز محل کے شمال میں واقع ہے، اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں مختلف رنگ کی نقاشی سے زیبائش کی گئی تھی، شاہی محلات میں یہ سب سے بڑی عمارت تھی، اور شاہ جہاں کے زمانہ میں اسکا نام امتیاز محل تہا، شاہجہانی مورخ اسکی تعریف میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں کہ وہ شان و شوکت میں عرش و کرسی سے سبقت لیگئی تھی، اور چمک دمک میں بہشت سے بڑھکر تھی، لیکن افسوس ہے کہ پُرانی نقاشی کے اب محض چند نشانات باقی رہ گئے ہیں۔
یہ عمارت طول میں ایک سو ترپن فٹ ۶ انچہ اور عرض میں اُنہتر فٹ ۳ انچہ ہے۔ اندرونی جانب مرغولہ دار دراس کو پندرہ کمروں پر منقسم کرتے ہیں جن میں سے ہوایک کمرہ ۲۰ فٹ مربع ہے۔ اس کے بارہ پہل ستونوں اور دیواروں کی روکار گیارہ فٹ کی اونچائی تک سنگ مرمر کی ہے اور اسی اونچائی سے دروں کے محراب شروع ہوتے ہیں، بیرونی دروں کی محرابوں میں سنہری نقاسی اور رنگ آمیزی ہے، جس کے نشانات بعض بعض مقام پر اب تک باقی ہیں، مشہور ہے کہ اسکی اصل چھت چاندی کی تھی، لیکن شہنشاہ فرخ سیر کے زمانہ میں ضروری اخراجات پورا کرنے کے لیئے اُس کو اُکھاڑلیا گیا اور اُس کے بدلے تانبے کی چھت لگادی گئی، اکبر شاہ ثانی کی وقت

میں اس تانبے کی چھت کو بھی اُکھاڑ کر لکڑی کی چھت لگا دی گئی، محمد صالح اُسکی اصل چھت کے متعلق لکھتا ہے کہ اُسپر سونے کا ملمع تھا اور سُنہری گلکاری سے مزیّن تھی۔

شرقی دیوار میں دریا کی جانب پانچ کھڑکیاں ہیں جہاں سے بیگمات زیر دیوار دریا کی ریتی میں ہاتھیوں کی لڑائی دیکھا کرتی تھیں، اور جس کو بادشاہ نہایت شوق سے ثمن برج سے ملاحظہ کرتے تھے، ان میں سے چار کھڑکیوں میں سنگ مرمر کی جالیاں ہیں جن میں شیشے لگے ہوئے تھے، غالباً یہ شیشے گہری رنگت کے تھے، جس نمونہ کے دو تین شیشے ابتک حمام کی کھڑکیوں میں موجود ہیں، وسطی دریچہ باہر کو نکلا ہوا بنگلہ نما ہے۔ یہ کچھ زیادہ بھلا نہیں معلوم ہوتا اور فن تعمیر کے اُس زوال کا پتہ دیتا ہے جس کی ابتدا شہنشاہ اورنگزیب کے زمانہ سے ہوئی اس محل کے چاروں کونوں پر چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں جن میں سنگ مرمر کا ازارہ ہے اور دیواروں کے بالائی حصہ پر مصالحہ میں گلکاری اور منبت کاری کی ہوئی ہے، اور نیز چھوٹے چھوٹے آئینے جڑے ہوئے ہیں،

نہر بہشت

رنگ محل کے بیچوں بیچ میں کو ایک نہر گزرتی ہے جس کے وسط میں ایک حوض ہے جو سنہ ۱۹۰۶ء تک نو تعمیر شدہ سنگین فرش سے ڈھکا ہوا تھا۔ قلعہ میں علی مردان خان کی نہر سے پانی لایا جاتا تھا جو دہلی سے ۶ میل اوپر دریائے جمنا سے کاٹی گئی تھی اور اس نہر سے قلعہ کے حوض اور دیگر چھوٹی نہریں لبریز ہوتی تھیں، قلعہ کی نہروں میں سب سے زیادہ مشہور نہر بہشت تھی، یہ شاہ برج سے نکلتی تھی اور باغ حیات بخش کے شرقی چبوترے و حمام و دیوان خاص و خوابگاہ میں کو ہوتی ہوئی میزان عدل کے نیچے کو گزرتی تھی، اور وہاں سے رنگ محل و ممتاز محل و دیگر شاہی محلات کو جاتی تھی۔ اور متعدد حوضوں اور فواروں کو پانی پہنچاتی تھی، برنیر تحریر کرتا ہے کہ ہر محل میں پانی

کے خزانے۔ باغات پسندیدہ روشیں۔ سایہ دار کنج۔ چشمے۔ فوارے۔ اونچے اونچے دالان اور چبوترے تھے، جہاں پر رات کو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا آتی تھی۔ دوسرے مقام پر یہ ہی مصنف بیان کرتا ہے کہ پانی کا یہ انتظام تھا کہ نہر محلسرائے میں کو گزرتی تھی اور اُس کے ہر حصّہ کو ہوتی ہوئی خندق میں گر جاتی تھی، رنگ محل کے وسطی حوض میں سے اگرچہ جواہرات نکال لیئے ہیں اور پانی وہاں اب نہیں بہتا تاہم وہ قلعہ میں تمام حوضوں سے زیادہ دلکش ہے اور شاید ہی کوئی اور حوض اس سے خوبصورتی اور نفاست میں سبقت لے گیا ہو۔

ایک پتھر کا حوض

یہ ایک پتھر کا حوض جس کا ذکر محمد صالح نے کیا ہے ایک عرصہ تک ملکہ کے باغ میں رکھا رہا۔ ۱۹۱۱ء میں اُس کو قلعہ میں واپس لائے اور اب اُس حوض کے بیچ میں رکھا ہوا ہے جو رنگ محل کے صحن کے وسط میں واقع ہے۔ رنگ محل کے سامنے کے باغ اور اُس کی اِرد گرد کی عمارات کا ذکر بشپ ہیبر نے بھی کیا ہے، جس نے ابتدائے اُنیسویں صدی میں اُن کو دیکھا تھا، وہ لکھتا ہے کہ جب میں نے قلعہ کو دیکھا تھا تو باغات اور عمارات سب قریب قریب برباد ہو چکے تھے اور اُن کی بجائے بدنما مکانات تعمیر ہو گئے تھے، تاہم وہ تحریر کرتا ہے کہ یہاں ایک چمن تھا جسکا طول ایک سو پندرہ گز اور عرض ایک سو سات گز تھا اور اُس کے اِرد گرد سُرخ پتھر کی جالی کا ایک جنگلہ تھا جسپر سونے کے دو ہزار کلس لگے ہوئے تھے، صحن کے تین جانب خوبصورت مکانات اور نفیس در بنے ہوئے تھے جن کی چوڑائی سترہ گز تھی اور یہ باغ مغربی جانب امتیاز محل کی کرسی سے ملحق تھا۔

امتیاز محل کے صحن کے وسط میں جسکا ذکر کیا جا چکا ہے ایک حوض ہے جسکا

طول ایک سو چھبیس[۱۲۶] فٹ اور عرض ایک سو تیئیس[۱۲۳] فٹ ہے، یہ اب بالکل خشک ہے، اور چونکہ اس میں پانی بھرا رہنے سے مچھر پیدا ہونے کا خوف تھا اس کی تہہ میں گھاس لگا دی گئی ہے۔

کھدائی ہونے پر شمال و جنوب کی عمارات کی نیویں برآمد ہوئی تھیں اور یہاں اب اُن کی نشاں دہی کے لیئے مہندی کی باڑھیں لگا دی گئی ہیں، اسی طرح مغربی جانب بھی ایک سلسلہ وار عمارت کی نیویں تھیں جس کا ایک حصہ دیوان عام کی عقب میں اب تک موجود ہے، یعنی وہ دالان جو نشیمن ظلّ الٰہی کی پشت پر ہے، اور یہاں سے ہو کر بادشاہ محلسرائے سے دیوانِ عام میں جاتے تھے، یہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ بادشاہ جب کاروبار عدالت یا غیر ممالک کے ایلچیوں کی ملاقات سے تھک جاتے ہوں گے تو آرام لینے کے لیئے اس امتیاز محل یا رنگ محل میں آجاتے ہوں گے جو مختلف رنگوں کی نقاشی سے مزیّن تھا اور جہاں پانی کے گرنے کی دھیمی دھیمی آواز اور بیگمات کی چہل پہل اُن کی تفریح طبع کا باعث ہوتا ہوگا۔

تسبیح خانہ خوابگاہ و بیٹھک

رنگ محل کے جانب شمال ایک عمارت ہے مشتمل تسبیح خانہ خوابگاہ و بیٹھک۔ اسکا چہرہ سنگ مرمر کا ہے، اور اُسپر ایک وقت میں رنگ برنگ کی نقاشی کی ہوئی تھی، زمانۂ حال تک اس عمارت کے ہر دو سروں پر ایک ایک پشتہ تین فٹ کا چوڑا بنا ہوا تھا، غور کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ پشتے بلحاظ مضبوطی کے ضروری نہیں اور چونکہ وہ اینٹوں کے بنے ہوئے نوتعمیر شدہ تھے اس وجہ سے منہدم کر دیے گئے۔ ان دیواروں کے ٹوٹنے سے اُن کے نیچے کے نقاشی کے نشانات تجھتے تک برآمد ہوئے۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ نفیس نقاشی جو اس عمارت کے اندرونی جانب ہے بیرونی

جانب بھی تھی، جس کی مثال کہیں اور نہیں ملتی، کارسٹیفن صاحب کا بیان ہو کہ یہ عمارت حمام کے جواب میں دیوان خاص کی جانب جنوب ہے، جو نری سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے، اور ایک نہر اس کو برابر کے دو حصّوں میں تقسیم کرتی ہے، اس عمارت اور دیوان خاص کے درمیان کے صحن کا فرش سنگِ مرمر کا ہے جو چھیالیس فٹ چوڑا ہے اور اسی طرح ایک صحن اس کے جانب جنوب رنگ محل تک ہے، اس عمارت کا نام خاص محل ہے، تسبیح خانہ اور خوابگاہ اور بیٹھک کی تقسیم اس طرح پر ہے کہ وہ تین کمرے جو دیوان خاص کی جانب ہیں تسبیح خانہ کے ہیں، اُن کے جنوبی جانب کے تین کمرے خوابگاہ کے ہیں اور وہ دالان جسکا رُخ رنگ محل کی جانب ہو بیٹھک، یا توشہ خانہ ہے خوابگاہ اور تسبیح خانہ کے وسطی کمروں کے بیچ والے در میں ایک سنگ مرمر کی جالی لگی ہوئی ہے، جسپر ایک ترازو کی شکل کندہ ہے، اس کو میزانِ عدل کہتے ہیں۔

آنریبل ڈبلو۔ ایم ہیلی صاحب بہادر سابق چیف کمشنر دہلی کے ایما سے اس عمارت کے مغربی دو کمرے مغلئی وضع پر آراستہ کیئے گئے ہیں تاکہ سیر کنندگان کو یہ اندازہ ہو کہ شاہان مغلیہ کے زمانہ میں کمرۂ مذکور کس طرح پر سجے ہوتے تھے۔

تسبیح خانہ و بیٹھک میں کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں البتہ خوابگاہ توجہ کے قابل ہے، یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ خوابگاہ تین وسطی کمروں کا نام ہے، اس کے بیچ کا کمرہ ۴۵ فٹ لمبا اور ۱۸ فٹ چوڑا ہے اور اُس کے مغربی و مشرقی کمروں کی پیمائش اس سے نصف ہے، ان ہر سہ کمروں میں دروازے لگے ہوئے ہیں اور ان کی دیواروں پر کسی زمانہ میں قیمتی پتھروں سے پچی کاری کی ہوئی تھی جنمیں سے اکثر نکال لیے گئے تھے لیکن اُن کی از سرِ نو مرمت ہوئی ہے، بیچ کے کمرے کے شمالی اور جنوبی جانب لداؤ دار در ہیں جس کی محرابوں پر شاہجہاں بادشاہ کے مشہور و معروف وزیر علامی سعد اللہ کا تصنیف کیا ہوا کتبہ کندہ ہے، اور نیز اس کمرہ کے گرد ازارہ کے قریب چند اشعار

اس عمارت کے وصف میں سونے کے پانی سے لکھے ہوئے تھے لیکن اب وہ مٹ گئے ہیں اور یہاں آثار الصنادید سے نقل کیئے جاتے ہیں۔

کتبہ جو سنگ مرمر کی محرابوں پر سنگ موسٰے سے پچی کاری کیا ہوا ہے۔

محراب جنوبی

سبحان اللہ این چہ منزلہاست رنگین و نشیمنہاست دلنشین قطع بہشت برین چون گویم کہ قدوسیان ہمت بلند بتماشائش آرزومند اگر ساکنان اطراف و اکناف بسان بیت العتیق بطوافش آیند رواست و اگر نظارگیان انفس و آفاق مثل حجر اسود بتقبیل آستان رفیع الشانش شتابند سزا۔ آغاز قلعہ والا کہ از کاخ گردون برتر است در رشک سد اسکندر، و این عمارات دلکشا و باغ حیات بخش کہ در منازل چون روح در بدن است و شمع در انجمن، و نہر اطہر کہ آب صافیش بینا را آئینۂ جہان نما است و دانا را از عالم غیب پردہ کشا، و آبشار ہا کہ ہر یک گوئی سپیدۂ صبح دمیدہ است یا لوحۂ اسرار لوح و قلم۔ و فوارہا کہ ہر کدامش پنجۂ نوریست

محراب شمالی

بصافۂ آسمانیان مائل یا لآلی متلالی است یا انعام رسینیان نازل و حیاض کہ ہمہ از آب زندگانی پر بصفا رشک نور چشمۂ خور دوازدہم ذالحجہ دوازدہم سال جلوس اقدس مطابق ہزار و چہل و ہشتم ہجری بعالمیان نوید کامرانی داد، و انجامش کہ بصرف پنجاہ لک روپیہ صورت پذیرفت بیست و چہارم ربیع الاول سال بیست و یکم جلوس ہمایون مع افق سنہ ہزار و پنجاہ و ہشت بفر قدوم میمنت لزوم گیتی خدیو کیہان خداوند بانی این معانی آسمانی شہاب الدین محمد صاحبقران ثانی شاہجہان بادشاہ غازی در فیض

بر روئے جہانیاں بر کشاد ،

اشعار جو دیوار پر سونے کے پانی سے لکھے ہوئے تھے اور اب مٹ گئے ہیں

شہنشاہِ آفاق شاہ جہان (۱) باقبال ثانیِ صاحبقران

در ایوانِ شاہی بصد احتشام (۲) چو خورشید بر چرخ بادا مدام

اساس است تا ناگزیر این بنا (۳) بود قصرِ اقبال او عرش سا

زہے دلنشین قصرِ پیراستہ (۴) بہشتے بصد خوبی آراستہ

شرافت یکے آیہ در شان او (۵) سعادت در آغوشِ ایوانِ او

چہ ... ... در این سرائے سرور (۶) کند ... ... از جبہ دور

بہ بالیش سر صدق ہر کس کہ سود (۷) چو دریائے جون آبرویش فزود

زمانہ چو دیوار او برفراشت (۸) بہ پیشِ رُخِ مہر آئینہ داشت

زبس روئے دیوارش آراستست (۹) زنقاشِ چین رونما خواستست

چنان بر سرش دستِ ایام کرد (۱۰) کہ گردون بلندی ازو وام کرد

ز فوارہ و حوضِ دربارشان (۱۱) بآب زمین شستہ رو آسمان

چو جائے شہنشاہِ عادل بود (۱۲) ازان بادشاہِ منازل بود

کاؤنٹ دان آرلچ جو ۱۸۴۳ء میں دہلی آئے تھے بیان کرتے ہیں کہ مغل بادشاہ کی خلوت گاہ کے دروازے کے سامنے ایک ترازو کی تصویر پتھر پر کندہ ہے جو یہ بتلاتی ہے کہ وہاں محض انصاف کیا جاتا ہے، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب ہم اس دالان میں داخل ہوئے جہاں سے بادشاہ کی خلوت گاہ کو راستہ جاتا تھا، تو ہم نے دیکھا کہ ایک داستان گو بادشاہ کی خوابگاہ کے سامنے بیٹھا ہوا بلند آواز سے قصہ کہہ رہا تھا، قصہ گو اور بادشاہ کے درمیان ایک پردہ پڑا ہوا تھا. بادشاہ ایک

مسہری پر لیٹے ہوئے تھے اور اُن کے سُلانے کے لیئے یہ قصّہ کہا جارہا تھا۔

مثمن برج

خوابگاہ کے مشرقی جانب مشرف بدریا ایک برج ہے جسپر ایک گنبد ہے اسکو برج طلا یا مثمن برج کہتے ہیں، برنیرنے اگرچہ اس کو دیکھا نہ تھا لیکن اسکی بہت تعریف کی ہے۔ یہ ہشت پہل ہے اور اس کے گنبد پر کسی وقت میں سونے سے ملمع کیئے ہوئے تانبہ کے پتّر جڑے ہوئے تھے، مگر اب اُسپر چونے کی استرکاری ہے، اس کے آٹھ ضلعوں میں سے تین ضلعے خوابگاہ میں منضم ہو گئے ہیں اور باقی پانچ ضلعے دریا کی جانب ہیں، جن میں سے چار میں سنگ مرمر کی جالیاں لگی ہوئی ہیں اور پانچویں ضلعے کے سامنے جو وسط میں ہے ایک چھوٹا سا نشیمن بطور برآمدہ کے ہے جس کو اکبر شاہ ثانی نے بنوایا تھا، اس نشیمن کی محرابوں پر اکبر شاہ ثانی کا ایک کتبہ بھی تحریر ہے، اور نیز مثمن برج کے مغربی دروازہ پر ایک دوسرا کتبہ ہے جو اکبر شاہ ثانی ہی کا کندہ کرایا ہوا ہے۔

کتبہ جو نشیمن کی محرابوں پر کندہ ہے

ثنا و حمد سزاوار مالک الملکے	کہ کرد بادشہِ دہر ہمچو شاہنشاہ
کز آب وجدشہ ابن شہست تا تیمور	جہاں پناہ فلک بارگہ ستارہ سپاہ
معین دین والو النصر اکبر غازی	شہ جہان وجہانگیر عہد ظل اللہ
بروئے برج مثمن ز نو مرتب ساخت	نشیمنے کہ بر و چشم دوخت مہر وماہ
بسیّد الشعرا، کرد حکم تاریخش	کہ برسفید بماند نوشتہ حرف سیاہ

نوشت مصرع تاریخ ایں بنا سیّد

بود نشیمن عالی اساس اکبر شاہ

۱۲ ھ ۲۳

کتبہ جو مثمن برج کے مغربی دروازہ پر کندہ ہے

اے بندہ بیابی وقفل بر دل ہشدار | وے دوختہ چشم پائے در گل ہشدار
عزم سفر مغرب وروی در مشرق | اے راہ روپشت بمنزل ہشدار

برنبیر مثمن برج کے بارے میں بیان کرتا ہے کہ خواجہ سرائے ایک چھوٹے سے برج کی بڑی تعریف کرتے ہیں جو دریا کی جانب ہے، اور جس پر سونے کے پتر اس طرح جڑے ہوئے ہیں جیسے آگرہ کے برجوں پر اور اندر کی جانب سے سنہری اور آسمانی رنگ کی نقاشی سے مزین ہے۔

شاہان مغلیہ کے محلات میں اس قسم کے برج عام طور پر آگرہ اور لاہور میں بھی پائے جاتے ہیں، یہاں سے بادشاہ رعایا کو اپنے درشن کراتے تھے جو قلعہ کے نیچے اس غرض سے جمع ہوتے تھے۔ آگرہ کے برج میں جہانگیر نے ایک گھنٹہ لٹکایا تھا جس کو فریادی بجا کر داد خواہی کرتے تھے۔

درشن

شاہانِ مغلیہ رسم درشن کو بہت ضروری خیال کرتے تھے، اور روزانہ رعایا کو اپنے درشن کراتے تھے، ایسے دور میں جب کہ بادشاہ کی جان ہر لحظہ خطرہ میں رہتی تھی، یہ ہی رسم ایسی تھی جس سے اُس کی حیات کی خبر رعایا کو مل سکتی تھی، بعض بعض مواقع پر ایسا بھی ہوا ہے کہ بادشاہ بستر بیماری پر پڑا ہوا ہے اور اُس کو اُسی حالت میں جھروکہ تک لایا گیا ہے اور اُس نے وہیں سے اپنا درشن کرایا ہے، اس سلسلہ میں یہ بیان کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ یہ رسم کارونیشن دربار میں بھی ادا کی گئی تھی یعنی شاہنشاہِ معظم جارج پنجم و ملکہ معظمہ اس ہی مثمن برج میں اُن لوگوں کے درشن

کے لیئے برآمد ہوئے تھے، جو قلعہ کے نیچے دریا کی ریتی میں جمع تھے۔

اس برج کے نیچے خضری دروازہ ہے جسکا ذکر مفصل آچکا ہے، مثمن برج کا اصلی گنبد موجودہ گنبد سے بالکل مغائر تھا کیونکہ جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے اُسپر تانبے کے پترے ہوئے تھے، لیکن پرائز ایجنٹ نے غدر کے بعد اُن کو اور نیز دیوان عام کی چوکھنڈیوں کی پتروں کو اُکھاڑ کر بیچ ڈالا۔

دیوانِ خاص

دیوان خاص کا دوسرا نام شاہ محل تھا اور اُس کے سامنے بھی جانب غرب مثل دیوانِ عام کے ایک صحن تھا جس کے گرد در بے ہوئے تھے اس صحن کا دروازہ جسکا نام جلو خانہ تھا غرب کی طرف تھا اور اُس کے سامنے ایک پردہ کھنچا رہتا تھا جو لال پردہ کے نام سے موسوم تھا۔ یہاں امراء و راجگان بادشاہ کو تسلیم بجا لاتے تھے، یہ صحن مع اُس دوسرے چھوٹے صحن کے جو اُس سے جانب مشرق تھا تھا بعد غدر کے منہدم کر دیا گیا لیکن پرانے نقشوں اور کھدائی سے اُن کی نیوؤں کا پتہ چلا ہے اور اُن کی نشاندہی کے لیئے وہاں منہدی اور پھلواری کی باڑھ لگا دی گئی ہے۔

دیوانِ خاص کا طول ۹۰ فٹ اور عرض ۶۷ فٹ ہے اور اسکی کرسی ۴ فٹ سے کچھ زیادہ بلند ہے۔ فرگسن کا خیال ہے کہ یہ عمارت شاہجہانی عمارات میں اگر سب سے زیادہ خوبصورت نہیں تو سب سے زیادہ آراستہ ضرور ہے۔ وسطی ایوان کا طول ۴۸ فٹ اور عرض ۲۷ فٹ ہے اُس کی چھت مسطح ہے، جو مرغولہ دار دروں پر قائم ہے۔ دیوار و ستون کے نیچے کے حصہ پر بیش بہا پتھروں سے پچی کاری کا کام ہو رہا ہے اور اوپر کی جانب سُنہری نقاشی ہے اُس کے وسطی کمرہ کے بیچوں بیچ میں کو نہر بہشت بارہ فٹ کی چوڑائی سے گزرتی ہے، اور یہاں ایک سنگ مرمر کا تخت تھا جسپر شاہجہاں کا

مشہور و معروف تختِ طاؤس جو ۹ کروڑ روپے کی لاگت سے تیار ہوا تھا اور جس کو نادر شاہ ۱۷۳۹ء میں لوٹ کر لے گیا رکھا جاتا تھا، اُسی وسطی کمرہ کے شمالی و جنوبی دروں پر یہ مشہور کتبہ سنہری حرفوں میں تحریر ہے:-

اگر فردوس بر روئے زمین است ہمین است و ہمین است و ہمین است

یہ عمارت مغلیہ سلطنت کی تاریخ میں بہت اہمیت رکھتی ہے اور اس نے خاندانِ تیموریہ کے بہت سے انقلاب دیکھے ہیں، یہیں پر اس کے بانی شاہجہاں کے پُر شوکت و شان دربار منعقد ہوتے تھے، اور یہاں ہی ۱۷۱۶ء میں اسکاٹلینڈ کے ڈاکٹر گیبریل ہملٹن کو شہنشاہ فرخ سیر کا عین اُس کی شادی کے موقع پر علاج کرنے کے صلہ میں یہ اجازت عطا ہوئی تھی کہ اُس کے ہم قوم یعنی ایسٹ انڈیا کمپنی دریائے ہُگلی کے کنارے ایک فیکٹری کھول لیں اور ۳۸ گاؤں کی ایک بستی بسالیں۔ یہ عطیہ فورٹ ولیم اور جو کچھ نتائج اس سے مرتب ہوئے اُن سب کا پیش خیمہ تھا،

یہیں پر ۱۷۳۹ء میں محمد شاہ نے نادر شاہ کے سامنے سرِ نیاز خم کیا تھا، جو خاندانِ مغلیہ کا پشتہا پشت کا جمع کیا ہوا خزانہ لے گیا۔ شاہانِ مغلیہ کے آخری دور میں یہ عمارت جاٹ۔ مرہٹہ۔ روہیلہ لُٹیروں کا یکے بعد دیگرے آماجگاہ رہی اور یہیں سن رسیدہ بادشاہ شاہ عالم کی غلام قادر خاں روہیلے نے آنکھیں نکالی تھیں، اور اسی مقام پر لارڈ لیک بہادر کا شکریہ ادا کیا گیا تھا کہ اُنہوں نے سلطنت مغلیہ کو سندھیا کی دست بُرد سے بچا لیا۔

۱۸۵۷ء میں باغیوں نے اسی محل میں بہادر شاہ ثانی کو دوبارہ تخت پر بٹھا کر ہندوستان کا بادشاہ بنانا چاہا تھا لیکن اُنہیں یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ صرف سات ماہ کے بعد اُس کو اسی عمارت میں بغاوت کے خلاف اپنی صفائی دینی ہوگی۔

دیوان خاص مختلف ناموں سے موسوم تھا۔ مثلاً شاہ محل۔ دولت خانۂ خاص

غسلخانہ۔ محمد صالح کنبو بہارِ سخن میں اسکو غسلخانہ کے نام سے موسوم کر کے اسطرح تحریر کرتا ہے :-

" و در برابر آن عمارت (خوابگاہ) غسلخانۂ مبارک در کمال دلکشائی ہوا و فرح افزائی فحت ساحت فزا از سنگ مرمر اساس یافتہ از بس آب و رنگ پنداری پرتو فیض گلزار جادید بہار سر البستان قدس بر در و دیوارش تافتہ ...... نقاشانِ بدائع نگار ہزار گونہ نقش عجیب و غریب بر سقف و ستون آں صفوت کدۂ فیضمآب برنگے نگاشتہ اند کہ مشاہدۂ نزاکت آن عقل را دیوانہ می سازد۔ سقفش از سیم ناب بحسن صناعت زرگران جادو اثر چون آئینہ از سیم تاب بر اوجِ فلک اقبال رخشان گشتہ نقش بو تہائے زر بر فراز آن برنگ نگین خورشید در خاتم سپہر درست نشستہ ...... باینہمہ حسن و خوبی نہرِ سلسبیل اثر در اواسطِ آن روانست .... و متصل ایں عمارت دلپذیر حمام کہ در تمام روئے زمین نظیر ندارد صورت وقوع پذیرفتہ "

برنیر کا بیان ہے کہ بہت کم آدمیوں کو دیوانِ خاص کے اندر داخل ہونیکی اجازت ہوتی تھی، امراء ہر روز شام کے وقت اس عمارت میں اور صبح کو دیوانِ عام میں باریابی حاصل کرتے تھے، اگر کوئی ناغہ کرتا تھا تو اُس کی تنخواہ کاٹ لیجاتی تھی۔

اس کی چھت کی ہندوستانی مورخین اور انگریزی سیاحوں نے بہت زیادہ تعریف کی ہے۔ محمد صالح لکھتا ہے کہ اُسپر ۹ لاکھ روپیہ صرف ہوا تھا، سید احمد خاں اس محل کے متعلق حسب ذیل تحریر کرتے ہیں :-

" خوابگاہ کے جانب شمال کو ایک بہت بڑا چوک ہی، اُس چوک کے ضلع شرقی ہیں ½۱ گز کا اونچا چبوترہ بنایا ہی ۸۰ گز کا لمبا اور ۲۶ گز کا چوڑا اُسکے بیچوں بیچ میں دیوان خاص کی عمارت ہی ۴۳ گز کی لمبی اور ۲۶ گز کی چوڑی سر سے پاؤں تک سنگِ مرمر کی اور سرتاسر اُس کے بیچ میں ۴ گز کی عرض سے

نہرِ بہشت بہتی ہے، اس عمارت کے بیچوں بیچ میں چوکور ستون بنا کر ۱۸ گز کے طول اور ۱۰ گز کے عرض سے مکان بنایا ہے اور اُسکے بیچوں بیچ میں ایک چبوترہ ہے اُس چبوترہ پر تخت طاؤس رکھا جاتا ہے جسپر بادشاہ اجلاس فرماتے ہیں اور اس مکان کے گرد پایہ نما ستون لگا کر مکان بنایا ہے، در و دیوار و ستون و مرغول اور محراب اور فرش اس عمارت کا سنگِ مرمر کا ہے۔ اور اُس میں ازارہ تک عقیق و مرجان اور احجار بیش قیمت سے پچی کاری کی ہے، اور بیل بوٹے اور پھول پتے بنائے ہیں اور ازارہ سے اوپر چھت تک سونے کا کام کیا ہوا ہے اور سونے کے پانی سے گویا لیپ دیا ہے ...... یہ عمارت جانب شرق سے مشرف بدریا ہے اور اُسطرف کے دروں میں جالیاں لگا کر آئینہ بندی کی ہے، اور جانب غرب اسکا صحن ہے، ستر گز سے ۷۰ گز کا، اور اُس صحن کے گرد مکانات اور ایوان سنگِ سُرخ سے بنے ہوئے ہیں، جانب غرب اس صحن کے دروازہ ہے کہ دیوان عام سے اُس میں رستہ آتا ہے اور اس دروازہ کے آگے لال پردہ تنا رہتا ہے اور سب امرا بروقت دربار کے اس لال پردہ کے پاس سے آداب تسلیمات بجا لاتے ہیں اور جانب شمال رستہ ہے حیات بخش کا اور جانب جنوب ڈیوڑھی محلات شاہی کی اور اس عمارت کے بیچ کے در کے سامنے صحن کی طرف ایک کٹہرا ہے سنگ مرمر کا اُس کو چوکھنڈی دیوان خاص کہا کرتے ہیں، اس کی چھت کبھی نری چاندی کی تھی، مرہٹہ اور جاٹ گردی میں اُکھڑ گئی"

(آثار الصنادید باب دوم ص۲۱ تا ص۲۲)

یہ چوکھنڈی دیوان خاص جسکا سید احمد خاں نے ذکر کیا ہے غالباً غدر کے بعد مسمار

ہوگئی اب اُسکا کوئی نشان نہیں۔

غلام علی بلگرامی مصنفِ خزانۂ عامرہ تحریر کرتا ہے کہ بادو[1] نے اپنی کمینی طبیعت اور تنگدلی سے دیوانِ خاص کی چاندی کی چھت کو اُکھڑوا کر اُسکے سکّے ڈھلوا لیے۔

کین صاحب لکھتے ہیں کہ اُس کی چھت چاندی کی تھی جسپر سونے کا کام ہو رہا تھا اور وہ ۲۹ لاکھ روپیہ میں تیار ہوئی تھی۔ مرہٹوں نے جب ۱۷۶۰ء میں اُسکو اُکھاڑ کر پلگایا تو اُس کی چاندی کی قیمت ۲۸ لاکھ روپے ہوئی۔ یہی مصنف یہ بھی تحریر کرتا ہے کہ سدا دیوا راؤ بھاؤ کے زیرِ کمان مرہٹوں نے یہ لوٹ مار کی تھی جن کو احمد شاہ درّانی نے ۱۷۶۱ء میں پانی پت کے میدان میں شکست دی، اس سے قبل ۱۷۵۸ء میں دیوانِ خاص کو احمد شاہ درانی نے بھی لوٹا تھا، جو منجملہ اور لوٹ کے اپنے ہمراہ ایک خاندانِ مغلیہ کی شہزادی کو بھی بیوی بنا کر لے گیا تھا۔

تختِ طاؤس

عبدالحمید لاہوری تختِ طاؤس کے متعلق نہایت تفصیل کے ساتھ حسبِ ذیل تحریر کرتا ہے۔

"بعض مصنفین کا خیال ہے کہ تختِ طاؤس دیوانِ عام میں تھا۔ کارسٹیفن کی رائے ہے کہ وہ اُس سنگ مرمر کے تخت پر رکھا جاتا تھا جو دیوانِ خاص میں ہے برنیر اس تخت کا حال بیان کرتے ہوئے تحریر کرتا ہے کہ اُس کے پایہ کے نزدیک تمام امراء زرق برق لباس پہنے ہوئے اُس چبوترہ پر جمع ہوتے تھے جس کے چاروں طرف چاندی کا کٹہرا لگا ہوا تھا۔ بعدہ وہ اس عمارت کا ذکر کرتا ہے جس میں تخت رکھا جاتا تھا اور کہتا ہے کہ صحن کے گرد کے مکانات کے متعلق یہ ہے کہ ہر امیر کو یہ حکم تھا کہ وہ اپنے صرف سے اُن کی زیبائش کرے اور امراء کا اس زیبائش میں مقابلہ ہوتا تھا، کہ

[1] بادو مرہٹوں کے ایک پیشوا کا نام تھا۔

کس کے مکان کی آرائش بادشاہ کو پسند ہوتی ہے، چنانچہ تمام دالان و در سر سے پاؤں تک کمخواب و زربفت سے منڈھ دیے جاتے تھے، اور فرش بیش بہا قالینوں کا ہوتا تھا، برنیر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ صحن سے اُسکی مراد دیوان عام کا صحن ہے ٹورنیر کہتا ہے کہ شاہجہاں کے پاس نہایت نفیس سات تخت تھے اور اُن میں خاص تخت دیوانِ عام میں رکھا جاتا تھا۔

زمانۂ دراز سے شاہانِ مغلیہ کے خزانہ میں ایک کثیر تعداد جواہرات کی جمع ہوگئی تھی، شاہجہاں نے اپنے پہلے سال جلوس میں یہ چاہا کہ اہلِ جہاں بھی اُن کے دیدار سے مستفیض ہوسکیں، چنانچہ اُس نے حکم دیا کہ علاوہ خاص شاہی جواہرات کے جس قدر لعل، یاقوت۔ ہیرے۔ موتی زمرد خزانہ میں ہیں اور جن کی قیمت ۲ کروڑ روپیہ ہے نظر اقدس میں پیش کریں، اور اُن میں سے اُس نے ۵۰ ہزار مثقال وزنی جواہرات جن کی قیمت ۸۶ لاکھ روپیہ تھی منتخب کرکے بے بدل خاں داروغہ زرگرخانہ کے حوالہ کیے، تاکہ وہ ایک لاکھ تولہ سونے کا جس کی قیمت ۱۴ لاکھ روپئے ہوتی تھی ایک تخت سوا تین گز لمبا ڈھائی گز چوڑا اور ۵ گز اونچا بنوا کے جواہر مذکور اُسمیں جڑوائے۔ نیز یہ حکم دیا کہ اُس کی چھت کے اندر کی جانب مینا کا کام ہو، اور باہر کی جانب لعل و یاقوت سے مرصع کرکے بارہ ستونوں پر قائم کی جائے اور اُسپر دو موروں کی تصویر جواہرات سے مرصع اور اُن کے درمیان ایک درخت لعل و ہیرے و زمرد و موتیوں سے جڑا ہوا بنا دیں اور اُسپر چڑھنے کے لیئے تین سیڑھیوں کا مرصع زینہ قائم کریں۔

یہ تخت سات سال میں ایک کروڑ روپیہ کی لاگت سے تیار ہوا، اُس کے گرد گیارہ تختے لگے تھے جن میں سے بیچ کے تختے میں وہ لعل جڑا ہوا تھا جو شاہ عباس والی ایران نے شہنشاہ جہانگیر کو تحفہ میں بھیجا تھا۔ اُسپر تیمور میرزا شاہ رخ و میرزا الغ بیگ کے نام منقوش تھے، اور شاہ عباس نے اپنا نام بھی اُسپر درج کرادیا تھا،

شہنشاہ جہانگیر نے اپنا نام مع شہنشاہ اکبر کے نام کے اُسپر کندہ کرایا، بعدہ شاہجہاں نے اپنے نام کا بھی اُسمیں اضافہ کر دیا۔

اس بیان سے کہ بے بدل خاں کو تختِ طاؤس بنوانے کا حکم ہوا تھا برفورڈ صاحب کے اس بیان کی تردید ہوتی ہے جو اُنہوں نے گائڈ ٹو دہلی میں تحریر کیا ہے کہ تخت زیر بحث آسٹن ڈی بارڈو کی زیرِ نگرانی تیار ہوا تھا۔

مشہور ہے کہ تختِ طاؤس کو نادر شاہ ۱۱۵۲ھ (مطابق رمضان ۱۷۳۹ء) میں ایران کو لے گیا۔ ٹورنیر نے اُس کی قیمت ۶۴ لاکھ ۲۰ ہزار جانچی تھی۔ سنگِ مرمر کا تخت جسپر بیان کیا گیا ہے کہ وہ رکھا جاتا تھا ۱۸۳۶ء میں پرنس آف ویلز کی تشریف آوری کے وقت دیوانِ خاص کے بیچوں بیچ میں سے اُٹھا کر اُس شرقی ایوان میں رکھ دیا گیا ہے جہاں کہ وہ اب تک موجود ہے۔

حمّام

کے دروازہ کا رُخ دیوانِ خاص کے شمالی جانب ہے۔ کہتے ہیں کہ اِدھر اُدھر کے دو کمروں میں شاہی خاندان کے بچے غسل کرتے تھے، اس حمّام کے تین درجے ہیں، اور اسکا فرش، حوضیں، اور کمر کمر تک دیواروں کی روکار سنگ مرمر کی ہے جسپر مختلف قسم کے پتھروں سے پچیکاری کی گئی ہے۔ دریا کی جانب کے درجے کو جامہ کن کہتے تھے یعنی یہاں کپڑے اُتارے جاتے تھے، اس درجہ میں دو حوض ہیں جن میں سے ایک میں گلاب کا فوارہ چلتا تھا، کھڑکیوں میں سنگ مرمر کی جالی اب تک موجود ہے اور اُن میں سے مشرقی جانب بیچ کی کھڑکی میں چند شیشے بہت گہری رنگت کے لگے ہوئے ہیں جو شاہجہاں کے زمانہ کے خیال کیئے جاتے ہیں، دوسرے درجہ کے وسط میں صرف ایک حوض ہے اور اس درجہ کو حسب ضرورت بطور سرد یا گرم حمام کے

کے استعمال کرتے تھے، یہاں سنگ مرمر کی ایک نہایت خوبصورت جانماز بھی رکھی ہوئی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ بعد غسل کے فریضۂ نماز یہاں ادا کرتے تھے۔ مغربی درجہ محض گرم خانہ تھا، اس کے مغرب میں انگیٹھی ہے، جس سے اس کو گرم کیا کرتے تھے، شرقی درجہ کی طرح ان دونوں درجوں میں بھی روشنی کھڑکیوں سے آتی ہے جنہیں پہلے رنگین شیشے لگے ہوئے تھے، شاہ نواز خاں کا بیان ہے کہ اس حمام میں نہایت قیمتی پتھروں سے پچی کاری کی گئی تھی اور وسطی حوض کے چاروں کونوں پر طلائی فوارے تھے،

شاہانِ مغلیہ کو حمام نہایت مرغوب تھے، موسم سرما میں اُن کو انگیٹھی سے گرم کر لیا جاتا تھا سید احمد خاں لکھتے ہیں کہ قلعۂ دہلی کا حمام شاید شاہجہاں اورنگ زیب کے بعد پھر گرم نہ ہوا ہو، وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ مشہور ہے کہ سوا سو من لکڑی سے وہ گرم ہوتا تھا

موتی مسجد

موتی مسجد کا طول ۴۰ فٹ اور عرض ۳۰ فٹ ہے اور اُس کی بلندی فرش سے چھت تک ۲۵ فٹ ہے اُس کے مرغولہ دار در ساڑھے ۳ فٹ کی کرسی پر استادہ ہیں، اوّلاً اُس کے گنبد سنہری تھے، لیکن غدر کے بعد ان کا بھی وہی حشر ہوا جو ثمن برج اور دیوانِ عام کی برجیوں کا۔ چنانچہ موجودہ سنگ مرمر کے گنبد بعد کے تعمیر شدہ ہیں، جن کو بلحاظ جسامت کے مسجد کی عمارت سے زیادہ مناسبت نہیں۔ اصلی سنہری گنبد غالباً اس سے بہت چھوٹے ہوں گے۔ سید احمد خاں اور کارسٹیفن اسکا سال بنا ۱۰۶۸ھ مطابق ۱۶۵۹ء تحریر کرتے ہیں، لیکن محمد کاظم مصنف عالمگیر نامہ لکھتا ہے کہ اُس کی تکمیل ۱۰۷۳ھ میں ہوئی اور اُسکی زینت اور آراستگی اس سے بھی ایک سال بعد عمل میں آئی، شاہجہاں نے قلعہ میں کوئی مسجد تعمیر نہیں کرائی تھی اور ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ وہ ادائے نماز کے لیئے جامع مسجد کو جایا کرتے تھے، شاہنشاہ اورنگزیب جسکا زہد و تقوےٰ محتاج بیان نہیں اس کمی کو محسوس کرکے مسجد مذکورہ کا قلعہ میں اضافہ کیا۔ جو صورت محمد کاظم نے مسجد مذکور کی بیان کی ہے اُسکا تطابق عمارت موجودہ سے کافی و وافی نہیں ہوتا۔ غالباً غدر کے بعد اُس کے موجودہ برج سنگِ مرمر کے بنائے گئے اُس کے ایوانوں میں بھی ترمیم و تنسیخ عمل میں آئی اور اس ہی سلسلہ میں اُس کی تاریخ کا کتبہ بھی جسکا ذکر محمد کاظم نے کیا ہے ضائع ہو گیا۔

ہیرا محل

ہیرا محل ایک سنگِ مرمر کی بارہ دری ہے جو حمام کے شمال میں واقع ہے۔ یہ طول میں ۲۲ فٹ پانچ انچ اور عرض میں ۱۹ فٹ ۵ انچ ہے اور اُس کے ہر ضلع میں تین کھلے ہوئے در ہیں، اس کو بہادر شاہ ثانی نے ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۴۲ء میں تعمیر کرایا تھا، اِسکا شاہجہانی عمارات کے ساتھ مقابلہ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آخری دور مغلیہ کی عمارتیں شاہجہانی عمارات سے وضع و قطع و فن صناعی میں کس قدر گری ہوئی تھیں۔

شاہ بُرج

یہ بُرج قلعہ کی شرقی دیوار کے شمالی کنارہ پر واقع ہے۔ سنگِ مرمر کا دالان جو اس کے جنوب میں ہے نہایت خوبصورت ہے، اگرچہ اس سے بھی فن تعمیر کے اُس تنزل کا پتہ چلتا ہے جسکا آغاز اورنگ زیب کے زمانہ ہی سے ہو گیا تھا۔ اسکا طول ۶۳ فٹ تین انچ اور عرض ۳۲ فٹ ہے۔ شمالی دیوار کے وسط میں ایک خوش قطع آبشار ہے جسکا ڈھلان ایک سنگِ مرمر کے حوض میں کو ہے، غدر کے بہت دنوں بعد

تک یہاں فوجی افسروں کا مقام رہا لیکن ۱۹۰۲ء میں اُسکی مرمت عمل میں آئی اور آبشار کو درست کرکے جدید ترمیمات جو فوجی افسروں کی رہائش کی غرض سے اُس میں کردی گئی تھی توڑ ڈالی گئیں، ۱۹۰۴ء کے زلزلہ میں اس کو اس قدر نقصان پہنچا کہ یہ ضروری معلوم ہوا کہ اس کو توڑ کر قریب قریب از سر نو بنایا جائے۔ بُرج جو سنگِ مرمر کے دالان کے عقب میں ہے ہشت پہل اور دو منزلہ ہے۔ اوّلاً اُس کی چھت پر ایک گنبد دار چھتری تھی جیسا کہ اسد بُرج پر ہے جو قلعہ کے جنوب مشرقی گوشہ میں واقع ہے۔ لفٹنٹ فرنکلن دہلی کا حال بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ "شاہی باغات میں ایک بڑا ہشت پہل کمرہ مشرف بہ دریائے جمن ہے جسکا نام شاہ برج ہے اُس میں سنگِ مرمر کا فرش ہے اُس ہی کے دریچہ سے مرزا جواں بخت ولی عہد شاہ عالم ثانی لکھنؤ کو فرار ہوئے تھے اور چونکہ اُس کی اونچائی زیادہ نہیں ہے اس لیئے شاہزادہ موصوف کی فراری آسانی سے عمل میں آئی"۔

لفٹنٹ صاحب کا یہ بھی بیان ہے کہ "آخری دور مغلیہ میں حملہ آوروں کے ہاتھوں سے اس عمارت کو بہت کچھ نقصان پہنچا۔ خاصکر غلام قادر کی فوج کے روہیلوں سے جو اس کے سنگ مرمر کے فرش پچی کاری و منبت کاری کے قیمتی پتھر اُکھیڑ کر لیگئے"۔

روہیلے مذکور قلعہ کی عمارات کے فرش کو تین روز تک متواتر اُس خزانہ کی تلاش میں کھودتے رہے جسکا اُن کو شبہ تھا کہ شاہ عالم کے محلات میں کہیں نہ کہیں دفن ہے۔ اس عمارت اور حمام کے درمیان چبوترہ پر ۱۹۱۱ء میں گھاس لگائی گئی تھی اور توپ خانہ کی بارُدی جو چبوترہ کے وسط میں تھی ۱۹۱۴ء میں منہدم کردی گئی، نہر بہشت جس سے قلعہ کی تمام نہروں اور فواروں کو پانی پہنچتا تھا یہیں سے نکلتی تھی، اور قلعہ کی شرقی دیوار پر ہوتی ہوئی دیگر عمارات میں جاتی تھی۔ کین صاحب کا خیال ہے کہ شاہزادہ جواں بخت سلیم گڑھ سے فرار ہوئے تھے جہاں وہ

اپنے رہنے کے کمرے سے پوشیدہ طور پر نکلکر محلات و دیگر عمارات کی چھتوں پر سے ہوتے ہوئے پہنچے تھے۔ رات اندھیری تھی اور شاہزادہ اگرچہ بخار میں مبتلا تھا لیکن وہ اُس راستہ سے جہاں سے کہ نہر فیض (جس سے نہر بہشت میں پانی پہنچتا تھا) قلعہ میں داخل ہوتی ہے، سلیم گڑھ کی دیوار پر پہنچ گیا اور وہاں سے رسی کے ذریعہ سے اُتر کر دریا کے کنارے اپنے دوستوں سے جا ملا۔

بشپ ہیبر جو ۲۵-۱۸۲۴ء میں دہلی آئے تھے شاہ بُرج کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ چبوترہ پر گوشہ میں ایک ہشت پہل عمارت ہے جو سنگ مرمر کی ہے اور اس میں پچی کاری سے بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں اس کے وسط میں ایک فوارہ ہے، اور ایک گوشہ میں ایک خوبصورت غسلخانہ ہے، اس عمارت کے دریچوں سے شہر اور اُسکے قرب و جوار کا بہت اچھا منظر نظر آتا ہے۔ لیکن جب میں نے اُسے دیکھا تھا تو وہ نہایت غلیظ و ابتر حالت میں تھی، یعنی حمام و فوارہ خشک پڑا تھا، منقش فرش کوڑے کرکٹ سے ڈھکا ہوا تھا، اور دیواریں چمگادڑ اور پرندوں کی بیٹ سے لتھڑی ہوئی تھیں۔"

اسد بُرج

اسد بُرج قلعہ کی شرقی دیوار کے جنوبی گوشہ پر واقع ہے، اُس کی قطع شاہ بُرج کی سی ہے، لیکن اُس کے سامنے سنگ مرمر کا دالان نہیں ہے، ۱۸۰۳ء میں مرہٹہ جیلہ کے حملے سے اس بُرج کو بہت نقصان پہنچا تھا، جبکہ اُس کے مقابلہ میں کرنیل اُکٹرلونی نے شہر کی حفاظت کی تھی۔ اکبر شاہ ثانی نے بُرج مذکور کی از سر نو مرمت کرائی

باغ حیات بخش

اس باغ کے اصلی رقبہ کا صرف نصف حصہ اب باقی ہے، مغربی نصف حصہ میں فوجی بارگیں بنگئی ہیں

اس کے شمال و جنوب میں ایک عمارات کا سلسلہ تھا جس کے وسط میں ساون بھادوں تھے، شرقی و غربی نہروں کے سروں پر بھی جو وسطی حوض میں گرتی تھیں عمارات تھیں، لیکن یہ سب عمارتیں سوائے ساون و بھادوں کے اب منہدم ہوگئی ہیں۔ شرقی نہر کے سرے پر کی عمارت موتی محل کے نام سے مشہور تھی، جو مثل دیگر عمارات کے مسمار ہوگئی، لیکن ۱۹۱۴ء میں جب توپ خانہ کی باڑی باغ کے مشرقی چبوترہ سے ہٹائی گئی تھی تو البتہ اُس کی بنیادوں کے نشانات ملے تھے۔

حیات بخش باغ کے مغرب میں ایک اور باغ تھا جسکا نام مہتاب باغ تھا اور وہ اُس بازار تک جاتا تھا جسکا سلسلہ نوبت خانہ کے سامنے والے چوک میں کو ہو کر شمالاً جنوباً دور تک چلا گیا تھا۔ اس باغ کے رقبہ پر بھی اب بارگیں بن گئی ہیں اور اُس کے متعلق کل عمارات قطعی منہدم ہوگئی ہیں، لیکن اغلب ہے کہ زمین کی کھدائی و صفائی ہونے پر روشوں و نہروں کے نشانات ملیں۔

بھادوں

اس باغ میں جانب جنوب ایک مکان ہے سنگ مرمر کا بہت نفیس و لطیف اس کو بھادوں کہتے ہیں، چہرہ اسکا یہ ہے کہ ایک چبوترہ کرسی دیکر بنایا ہے اور اُسپر سولہ ستون لگا کر ایک ایوان دل کشا تعمیر پایا ہے مشتمل اوپر دو ایوان کے جانب شرق و غرب اور دو بنگلے ہیں آگے اور پیچھے کہ ان ستونوں کے سبب بیچوں بیچ میں ایک چوکھنڈی بن گئی ہے اور اس میں ایک حوض[1] سنگ مرمر کا ہے ۴ گز ۱۵ انسو کا مربع اور ۱½ گز گہرا۔ اس مکان میں نہر بہشت سے نہر آتی ہے اور حوض میں چادر

[1] یہ حوض اب نہیں ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غدر کے بعد مرمت کے وقت اس کو پاٹ دیا گیا۔ البتہ ساون کا حوض باقی ہے ۱۲

ہو کر پڑتی ہے، اور پھر اُس میں سے نکلکر آگے ایک اور چادر چھوٹتی ہے، اور نہر میں پڑتی ہے، یہ عمارت بھی بہت نادر ہے اور اُس میں پانی کا پھرنا اور چادر کا چھوٹنا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا بھادوں کا مینہ برستا ہے اور اسی سبب سے اس مکان کا بھادوں نام رکھا ہے، اب اس مکان میں پانی آنے کا اور چادریں چھوٹنے کا رستہ بالکل بند ہو گیا ہے، اس مکان کے حوض اور چادروں میں محرابی چھوٹے چھوٹے طاق بنا دیے ہیں کہ دن کو اُن میں گلدان ہائے رنگین رکھے جاتے تھے اور رات کو شمع کافوری روشن ہوا کرتی تھیں، اور اُس کے اوپر سے پانی کی چادر پڑتی تھی، اور اندر سے اُن پھولوں کی خوشنمائی اور چراغوں کی روشنی عجیب عالم دکھاتی تھی، اس کی چھت کے چاروں کونوں پر بھی چار برجیاں چوکھنڈی کی سُنہری بنی ہوئی ہیں۔

ساون

اسی باغ میں جانب شمال یہ عمارت ہے، نری سنگِ مرمر کی نہایت نفیس اور بہت تحفہ کہ اُس کی لطافت و نفاست حدبیان سے باہر ہے اور چہرہ اُسکا بعینہٖ مثل چہرہ بھادوں کے ہے۔ بال برابر بھی فرق نہیں۔ گویا ایک مکان کو چھپاؤ اور ایک کو نکالو۔ ایک ذرا فرق نہیں۔ اور اسی طرح اُس میں بھی چادر بنی ہوئی ہے، اور حوض بھی بنا ہے، اور اسی طرح گلدان اور چراغاں رکھنے کو محرابی طاق بنائے ہیں، اس سبب سے کہ اس مکان میں پانی کی آمد اور چادر کا پڑنا اور زور شور سے پانی کا بہنا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسا ساون کا مینہ، اسواسطے اس عمارت کا نام ساون رکھا ہے۔

بشپ ہیبر تحریر کرتے ہیں کہ "یہ باغات بہت بڑے نہیں ہیں لیکن اپنے

طرز میں نہایت خوبصورت ہیں، ان میں کثرت سے نارنگیوں اور دیگر پھلوں کے درخت ہیں، اور روشوں پر گلاب کی باڑھ لگی ہوئی ہے جن میں سے بعض بعض پر اب بھی پھول کھلے ہوئے ہیں۔"

ظفر محل

یہ عمارت نری سنگِ سُرخ کی باغ حیات بخش کے حوض کے بیچ میں واقع ہے اور بہادر شاہ ثانی آخری مغل بادشاہ نے جنکا تخلص ظفر تھا ۱۸۴۲ء میں اس کو تعمیر کیا تھا اسکا مادۂ تاریخ ظفر محل ہے جس سے ۱۲۵۸ھ (۱۸۴۲ء) نکلتے ہیں سید احمد خاں تحریر کرتے ہیں کہ جانب شرق اس مکان کے ایک پُل تھا جو اب منہدم ہوگیا ہے۔ محل مذکور میں کوئی خاص بات قابل توصیف نہیں۔ سید احمد خاں یہ بھی تحریر کرتے ہیں کہ "حیات بخش کے وسط میں ایک خوشنما نہر بہتی ہے۔ علیحضرت سراج الدین محمد بہادر شاہ ظفر نے اس کے مغربی جانب ایک جھرنا سنگ سُرخ کا مثل قطب صاحب کے جھرنے کے بنایا ہے جس سے باغ کی زینت دوبالا ہوگئی ہے اسی باغ میں قدم شریف بھی ہے۔"

چوبی مسجد

حیات بخش باغ کے جنوب میں ایک چھوٹی سی مسجد تھی جسکا نام چوبی مسجد تھا یہ ۱۸۵۷ء کے غدر تک موجود تھی، لیکن اب اسکا کوئی نشان نہیں ہے۔ سید احمد خاں اس کے متعلق اس طرح تحریر کرتے ہیں :-

"یہ مسجد احمد شاہ بادشاہ نے ۱۱۶۴ھ مطابق ۱۷۵۰ء کے قلعہ شاہجہاں میں بنائی تھی اسکے ستون اور محرابیں سب کی سب چوبی تھیں، اس سبب سے چوبی مسجد

کر کر مشہور ہے۔

اس کے دروازہ پر یہ کتبہ تحریر تھا جو مفتاح التواریخ سے نقل کیا جاتا ہے۔

بنا کرد مسجد شہ دیں پناہ　　　　که شد یاورش دولت سرمدی
بر دہر که آنجا سجود نیاز　　　　با نوار طاعت شود مهتدی
خرد را بحیرت فرو رفت پائے　　　　چو شد فکر تاریخ را مهتدی
بگفتا سروش از سر برتری　　　　که بیت شرف مسجد احمدی

نہر بہشت

اس نہر کے تاریخی واقعات جس کے ذریعہ سے قلعہ شاہجہاں میں پانی لایا گیا تھا، خالی از دلچسپی نہیں، مآثر الامراء اور عمل صالح میں اس کے حالات تفصیل کے ساتھ دیے ہوئے ہیں۔ اوّل الذکر کتاب میں تحریر ہے کہ اسکا نام "نہر بہشت" شاہجہاں کا رکھا ہوا ہے۔

سیّد احمد خاں جنہوں نے نہر مذکور کے حالات غالباً کتب ہائے مذکورہ و نیز مرأت آفتاب نما سے اخذ کیے ہیں حسب ذیل تحریر کرتے ہیں :۔

"اوّل بانی نہر کا سلطان جلال الدّین فیروز شاہ خلجی ہے، اس نے سنہ ۶۹۱ھ مطابق ۱۲۹۱ء کے اس نہر کو سواد پرگنہ خضر آباد میں دریا سے کاٹا اور ۳۰ کوس تک پرگنہ سفیدون میں جہاں اُس کی شکارگاہ تھی لاکر چھوڑ دیا، پھر کسی بادشاہ کو اسکا خیال نہ رہا کہ وہ نہر بند ہوگئی تھی، سنہ ۹۶۹ھ مطابق ۱۵۶۱ء کے جلال الدین اکبر بادشاہ کے عہد میں شہاب الدین احمد خاں صوبہ دار دہلی نے اس نہر کو پھر صاف کرایا اور اپنی جاگیر میں لایا، اور نہر شہاب اسکا نام رکھا۔ ایک مدت کے بعد یہ نہر پھر بند ہوگئی تھی، سنہ ۱۰۴۸ھ مطابق ۱۶۳۸ء کی شہاب الدین

محمد شاہ جہاں نے اس نہر کے سفید دون تک صاف ہونے کا اور سفید دن سے قلعہ شاہ جہاں تک نئی کھدنے کا حکم دیا۔ چنانچہ یہ نہر تیار ہوئی، اور جب قلعہ بن چکا تو قلعہ اور شہر میں جاری ہوئی۔ ایک مدت بعد اس نہر کا پھر وہی حال ہوگیا تھا۔ تخمیناً ۱۸۲۰ء مطابق ۱۲۳۶ھ کے سرکار انگریزی نے پھر نہر کو جاری کیا اور اب تک بدستور جاری ہے، اور مرمت اور شکست و ریخت سے تیار اور مصفا رہتی ہے۔

سلیم گڑھ یا نور گڑھ

سلیم گڑھ کو شیر شاہ کے بیٹے اسلام شاہ نے ہمایوں کا حملہ روکنے کیلئے ۱۵۴۶ء میں بنایا تھا، اسکا محیط قریباً پون میل کے ہے، اس قلعہ کے ۱۹ برج تھے، اور کہتے ہیں کہ اسپر ۴ لاکھ روپیہ صرف ہوا تھا، شاہ سلیم شاہ کی وفات کے بعد یہ قلعہ یوں ہی نامکمل رہ گیا۔ فرید خاں ملقب بمرتضےٰ خاں نے جو اکبر و جہانگیر کے دربار کے ایک امیر تھے اس میں کچھ مکانات بنائے تھے، ۱۸۲۸ء میں یہ عمارات تباہ ہوچکی تھیں، لیکن اکبر شاہ ثانی کی توجہ سے ایک دو منزلہ عمارت اور باغ بہتر حالت میں تھے، اور وہ اکثر یہاں ہوا خوری کیا کرتے تھے۔

۱۷۸۸ء میں غلام قادر روہیلہ نے شاہ عالم کو اندھا کرکے اسی قلعہ میں قید کیا تھا۔ اور چند روز بعد وہ خود مع اپنے ہمراہیوں کے اسی قلعہ کے راستہ سے فرار ہوا تھا۔

جہانگیر نے اس قلعہ کے راستہ کیلئے ایک پل بنوایا تھا جس کو منہدم کرکے موجودہ ریلوے کا پل تعمیر کیا گیا ہے۔ جہانگیر کے پل بنانے کے بعد

سلیم گڑھ مغلوں کے عہد میں اکثر شاہی قیدخانے کا کام دیتا تھا

یہ قلعہ نور گڑھ کے نام سے مشہور ہوگیا تھا۔ دیکھو آثار الصنادید باب دوم (صفحہ ۲۸-)

جہانگیری پُل کی تاریخ کے دو کتبے پل مذکور پر ثبت تھے، اُن میں سے ایک عجائب خانۂ دہلی میں موجود ہے اور دوسرا کہیں ضائع ہوگیا۔

کتبۂ پُل سلیم گڑھ جو عجائب خانۂ دہلی میں ہے

اللہ اکبر	بحکم پادشاہِ ہفت کشور	جلّ جلالہ	شہنشاہ بعدل و داد و تدبیر	یافتاح
یا ناصر	جہانگیر ابن شاہنشاہ اکبر	یا فیاض	کہ شمشیرش جہاں را کرد تسخیر	یا حی
سنہ ۱۷	چو ایں پُل گشت در دہلی مرتب	جلوس	کہ وصفش را نشاید کرد تحریر	جہانگیری
باہتمام	پئے تاریخ اتمامش خرد گفت	حسین جلبی	پُل شاہنشہِ دہلی جہانگیر	کتبہ شریف

کتبۂ بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پل سنہ ۱۷ جلوس جہانگیری میں حسین جلبی کے زیر اہتمام تعمیر ہوا تھا، اور کتبہ مذکورہ شریف نامی خوشنویس نے تحریر کیا تھا۔

دوسرا کتبہ جو ضائع ہوگیا ہے وہ ذیل میں آثار الصنادید سے نقل کیا جاتا ہے

اللہ اکبر

شد بحکم شاہ نور الدین جہانگیر عظیم
سال و تاریخ مبارک آں صراط المستقیم

سنہ ۱۰۳۱ھ

ختم شد

دوسری اشاعت

الحمدللہ، سیر دہلی دوبارہ شائع ہوتی ہے، اب کے اسمیں لال قلعہ کے مفصل حالات بڑہائے گئے ہیں جس کے سبب اسکا نام سیر دہلی کی معلومات رکھنا بالکل مناسب معلوم ہوتا ہے، اس اشاعت میں عکسی تصاویر نہیں ہیں، اسکی وجہ یہ ہے کہ تصاویر میں خرچ زیادہ ہوتا ہے، اور اسکے سبب قیمت بڑہانی پڑتی ہے اور مسافروں کو زیادہ قیمت کی کتاب خریدنے میں مشکل پیش آتی ہے۔ پہلے اس کتاب کی قیمت مجلد کی دو روپے تھی اور غیر مجلد کی عہ: اب باوجود اضافہ اور ضخامت بڑہجانیکے قیمت صرف ۱۲ رکھی گئی ہے، یعنی گزشتہ قیمت سے آدھی۔ اُمید ہے کہ قیمت کی کمی سے مسافروں کو آرام ہوگا اور وہ اس کتاب کی معلومات سے سیر دہلی میں فائدہ اُٹھائینگے، ہوٹل دہلی میں اور بہت سے کھلگئے ہیں جنکی تفصیل معلوم کرنیکا موقعہ نہیں ملا۔ کرایہ کی گاڑیوں اور موٹروں کا کرایہ کمیٹی نے نیا مقرر کیا ہے ہر گاڑی والہ کے پاس ایک نرخنامہ ہوتا ہے اُسکو دیکھ لینا چاہیئے مگر نرخنامہ پر حصر نہ رکھنا چاہیئے کوشش کرنے سے سواری والے بہت کم کرایہ قبول کرلیتے ہیں۔

حسن نظامی

حصۂ دوم۔ "انگریزوں کی بپتا" ... ... ۶ ر

حصۂ سوم۔ "محاصرۂ دہلی کے خطوط" ... ۴ ر

حصۂ چہارم۔ "بہادر شاہ کا مقدمہ" ۸ ر مجلد عہ ۸ ر

حصۂ پنجم۔ "غدر دہلی کے گرفتار شدہ خطوط" عہ مجلد عہ ۱۲ ر

حصۂ ششم۔ "غدر دہلی کے اخبار" ... ۴ ر

حصۂ ہفتم۔ "غالب کا روزنامچہ غدر" ۱۲ ر مجلد عہ ۴ ر

حصۂ ہشتم۔ "دہلی کی جان کنی" عہ مجلد عہ ۸ ر

کرشن بیتی باتصویر۔ سری کرشن جی کی سوانحعمری عہ ۱۰ ر مجلد ۲ ر

آپ بیتی خواجہ صاحب کی خودنوشت سوانحعمری باتصویر عہ مجلد عہ ۱۲ ر

روزنامہ سفر مصر و شام و حجاز باتصویر۔ خواجہ صاحب کی سفر بلاد اسلامیہ کے دلچسپ حالات ... ... ۳ ر

روزنامچہ سفر ہندوستان:۔ سفر بمبئی و کاٹھیاواڑ وغیرہ کے دلچسپ حالات ... ... ۱۲ ر

رہنمائے سیر دہلی باتصویر۔ دہلی آنے والوں کو ہر چیز کا رستہ بتانے اور سیر کرانے والی کتاب۔ ۱۲ ر مجلد عہ ۴ ر

طریقت و شریعت کی کتابیں

تسخیر مہر و قہر اعمال حزب البحر پر خواجہ صاحب کی مقبول کتاب ۱ ر

مفلسی کا علاج:۔ خواجہ صاحب کی سب سے پہلی تصنیف ۱ ر

اردو دعائیں ہر موقعہ کیلئے مناسب اور موثر دعاؤں کا مجموعہ ۸ ر

تسکین احساس تصوف کے ابتدائی اصول صوفیوں کے اذکار و اشغال عام فہم اردو زبان میں ... ... ۸ ر

مرشد کو سجدۂ تعظیم، قرآن، حدیث، فقہ، اور اقوال بزرگان سے سجدۂ تعظیمی کا ثبوت ... ... ۸ ر

خدائی انکم ٹیکس زکوٰۃ ادا کرنے کی ترغیب اور اسکا فلسفہ ۱۰ ر

اسلام کا انجام توفیق بکری کی کتاب کا ترجمہ ۶ ر

اسرار رموز تصوف پر بہادر اللہ کے خیالات ۔ ۶ ر

تعلیمی مذہبی ادبی کتابیں

بیوی کی تعلیم عورتوں کی تعلیم کے لئے نہایت ضروری یا نونکا سبقاً سبقاً بیان نہایت مفید دلچسپ اور عام فہم۔ عہ مجلد عہ

بیوی کی تربیت۔ بیوی کی تعلیم کا دوسرا حصہ قسم اول عہ دوم عہ

اولاد کی شادی۔ بیوی کی تعلیم کا تیسرا حصہ ... عہ مجلد عہ

بچوں کی کہانیاں:۔ بچوں کے بہلانے کے لیے سبق آموز کہانیوں کا مجموعہ، قیمت مجلد عہ ۲ ر غیر مجلد ۱۰ ر

رسولؐ کی عیدی امت کے بچوں کیلئے نظم و نثر۔ ۲ ر

اتالیق خطوط نویسی ہر دو حصہ۔ پہلے حصہ میں خواجہ صاحب کے آسان خطوط اور خط لکھنے کے اصول۔ دوسرے حصہ میں نامور مسلمانوں کے خطوط ہیں ... ... ۱۲ ر

مجموعہ خطوط حسن نظامی حصہ سوم اتالیق خطوط نویسی ۱۲ ر

ظہور امام اور مسئلہ خلافت کی متعلق کتابیں

امام الزماں کی آمد شیخ سنوسی کے پانچوں رسالونکا خلاصہ ۱۰ ر

گورنمنٹ اور خلافت انگریزوں کو دعوت اسلام ۴ ر

شیخ سنوسی حصہ اول مشہور کتاب ہے ... ... ۵ ر

ناگفتہ بہ شیخ سنوسی کا پانچواں حصہ ... ۵ ر

جرمنی خلافت شیخ سنوسی کا چھٹا حصہ جو ۱۹۱۵ء میں ضبط ہوگیا تھا ۶ ر

وہ کتابیں جو خواجہ صاحب کی تحریک سے لکھی گئیں یا جنکو پسند کرکے خواجہ صاحب نے خود چھپوایا ہے،

جرمن نامہ قیصر جرمنی کے مخفی حالات ... ... ۳ ر

فرانسیسی درویش بادشاہ نپولین کے درویشی اقوال ۳ ر

طریقت کی تعلیم اس کتاب کے چار حصے ہیں۔ چاروں کی قیمت ۸ ر

درویشی مولود شریف۔ مولود شریف قابل دید کتاب ہے ۸ ر

اہلبیت کے معجزات نہایت موثر اور بیحد مفید ۴ ر

نظم الہام شریعت و طریقت پر اکبر الہ آبادی کی نظم ۴ ر

حکم امام حضرت امام ہشتم علیہ السلام کا طبی ہدایت نامہ ۴ ر

نظم معراج:۔ مرزا عاشق حسین صاحب بزم اکبر آبادی کی معراج شریف کے بیان میں وہ دل پسند اور قابل دید نظم ہے جس پر انکو معراج الشعرا کا خطاب ملا ہے ۸ ر

محصول ڈاک ہر کتاب کا بذمہ خریدار ہوگا۔

ملنے کا پتہ **کارکن حلقۃ المشائخ۔ دہلی**

حصۂ دوم ۔ "انگریزوں کی بپتا" ۶ر

حصۂ سوم ۔ "محاصرۂ دہلی کے خطوط" ... ۴ر

حصۂ چہارم ۔ "بہادر شاہ کا مقدمہ" ۸ر مجلد عہ

حصۂ پنجم ۔ "غدر دہلی کے گرفتار شدہ خطوط" ۱۲ر مجلد عہ

حصۂ ششم ۔ "غدر دہلی کے اخبار" ... ۴ر

حصۂ ہفتم ۔ "غالب کا روزنامچۂ غدر" ۱۲ر مجلد عہ

حصۂ ہشتم ۔ "دہلی کی جاں کنی" عہ ۸ر مجلد عہ

کرشن بیتی باتصویر۔ سری کرشن جی کی سوانحعمری عہ ۱۰ر مجلد ۲ر

آپ بیتی خواجہ صاحب کی خود نوشت سوانحعمری باتصویر عہ مجلد ۱۲ر

روزنامہ سفر مصر و شام و حجاز باتصویر۔ خواجہ صاحب کے سفر بلاد اسلامیہ کے دلچسپ حالات ۲ر

روزنامچہ سفر ہندوستان :۔ سفر بمبئی و کاٹھیاواڑ وغیرہ کے دلچسپ حالات ۱۲ر

رہنمائے سیر دہلی باتصویر۔ دہلی آنے والوں کو ہر چیز کا رستہ بتانے اور سیر کرانے والی کتاب۔ ۱۲ر مجلد عہ

طریقت و شریعت کی کتابیں

تسخیر مہر و قہر اعمال حزب البحر پر خواجہ صاحب کی مقبول کتاب ۱ر

مفلسی کا علاج :۔ خواجہ صاحب کی سب سے پہلی تصنیف ۱ر

اردو دعائیں ہر موقعہ کیلئے مناسب و موثر دعاؤں کا مجموعہ ۸ر

تسکین احساس تصوف کے ابتدائی اصول صوفیوں کے اذکار و اشغال عام فہم اردو زبان میں ۸ر

مرشد کو سجدۂ تعظیم، قرآن، حدیث، فقہ، اور اقوال بزرگان سے سجدۂ تعظیمی کا ثبوت ۸ر

خدائی انکم ٹیکس زکوٰۃ ادا کرنے کی ترغیب اور اسکا فلسفہ ۱۰ر

اسلام کا انجام توفیق بکری کی کتاب کا ترجمہ ۶ر

اسرار رموز تصوف پر بہاء اللہ کے خیالات ۔ ۶ر

تعلیمی مذہبی ادبی کتابیں

بیوی کی تعلیم عورتوں کی تعلیم کے لیئے نہایت ضروری بات نہایت سبقاً سبقاً بیان نہایت مفید۔ دلچسپ اور عام فہم ۔ عہ مجلد عہ

بیوی کی تربیت۔ بیوی کی تعلیم کا دوسرا حصہ قسم اول عہ قسم دوم عہ

اولاد کی شادی۔ بیوی کی تعلیم کا تیسرا حصہ ... عہ مجلد عہ

بچوں کی کہانیاں :۔ بچوں کے بہلانے کے لیئے سبق آموز کہانیوں کا مجموعہ۔ قیمت مجلد عہ غیر مجلد ۱۰ر

رسولؐ کی عیدی امت کے بچوں کیلئے نظم و نثر۔ ۲ر

اتالیق خطوط نویسی، ہر دو حصہ۔ پہلے حصہ میں خواجہ صاحب کے آسان خطوط اور خط لکھنے کے اصول۔ دوسرے حصہ میں نامور مسلمانوں کے خطوط ہیں ۱۲ر

مجموعۂ خطوط حسن نظامی حصۂ سوم اتالیق خطوط نویسی ۱۲ر

ظہور امام اور مسئلۂ خلافت کی متعلق کتابیں

امام الزماں کی آمد شیخ سنوسی کے پانچوں رسالوں کا خلاصہ ۱۰ر

گورنمنٹ اور خلافت انگریزوں کو دعوت اسلام ۴ر

شیخ سنوسی حصۂ اول مشہور کتاب ہے ۵ر

ناگفتہ بہ شیخ سنوسی کا پانچواں حصہ ... ۵ر

جرمنی خلافت شیخ سنوسی کا چھٹا حصہ جو ۱۹۱۵ء میں ضبط ہوگیا تھا ۶ر

وہ کتابیں جو خواجہ صاحب کی تحریک سے لکھی گئیں یا جنکو پسند کرکے خواجہ صاحب نے خود چھپوایا ہے ،

جرمن نامہ قیصر جرمنی کے مخفی حالات ۴ر

فرانسیسی درویش بادشاہ نپولین کے درویشی اقوال ۳ر

طریقت کی تعلیم اس کتاب کے چار حصے ہیں۔ چاروں کی قیمت ۸ر

درویشی مولود شریف۔ یہ مولود شریف قابل دید کتاب ہے ۸ر

اہلبیت کے معجزات نہایت موثر اور بیحد مفید ۴ر

نظم الہام شریعت و طریقت پر اکبر الہ آبادی کی نظم ۴ر

حکم امام حضرت امام ہشتم علیہ السلام کا طبی ہدایت نامہ ۴ر

نظم معراج :۔ مرزا عاشق حسین صاحب بزمی اکبر آبادی کی معراج شریف کے بیان میں وہ دل پسند اور قابل دید نظم ہے جس پر انکو معراج الشعرا کا خطاب ملا ہے ۸ر

محصول ڈاک ہر کتاب کا بذمہ خریدار ہوگا۔

ملنے کا پتہ کارکن حلقۃ المشائخ ۔ دہلی

دہلی

کا

ہر دلعزیز ماہوار رسالہ

دین و دنیا

جو مسلمانوں کو دینداری و دنیا داری کی صحیح تعلیم دیتا ہے، روحانی تسلی و تسکین کا سامان مہیا کرتا ہو، غریبوں کو بیکاری و مفلسی دور کرنے کی تدبیریں بتاتا ہو، روحانی و جسمانی امراض کے مجرب علاج، کارآمد معلومات اور گوناگوں تحریری دلچسپیوں کا بیش بہا ذخیرہ لیکر ہر مہینے ٹھیک وقت پر شائع ہوتا ہے اور ہندوستان بھر میں اپنے رنگ کا واحد رسالہ ہو حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی کا رسالہ "پیر بھائی" بھی اسکے ساتھ شامل ہے، کاغذ کے اعتبار سے اس رسالہ کے دو ایڈیشن شائع ہوتے ہیں ایک اعلیٰ جسکی سالانہ قیمت مع محصول للعہ ہے ششماہی دو روپے۔ دوسرا معمولی جسکی قیمت اعلیٰ سے نصف یعنی سالانہ عـہ اور ششماہی علہ مقرر ہے

ملنے کا پتہ:-

منیجر رسالہ دین و دنیا

بازار مچھلی والان دہلی